اصلاحی خطبات

- عقل کا دائرہ کار
- ماہِ رجب
- نیک کام میں دیر نہ کیجئے
- سفارش شریعت کی نظر میں
- آزادیٔ نسواں کا فریب
- روزہ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟
- دین کی حقیقت
- بدعت ایک سنگین گناہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

۱

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطبات ⟵ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم

ضبط و ترتیب ⟵ محمد عبد اللہ میمن صاحب

مقام ⟵ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

اشاعت اول ⟵ مئی ۱۹۹۳ء

تعداد ⟵ دو ہزار

ناشر ⟵ میمن اسلامک پبلشرز، فون:- ۴۹۹۱۰۳۳

باہتمام ⟵ ولی اللہ میمن

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر ۱۳۵۷۴

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱- لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰- انار کلی، لاہور ۲
- مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دار العلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- مولانا اقبال نعمانی صاحب، آفیسر کالونی گارڈن، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے، اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشرو اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً سو سے زائد ہو گئی ہے۔ انہی میں سے کچھ

کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمائیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔ اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمد للہ، ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست مضامین

(۱) عقل کا دائرہ کار

(۲) ماہ رجب

(۳) نیک کام میں دیر نہ کیجئے

(۴) سفارش، شریعت کی نظر میں

(۵) روزہ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟

(۶) آزادی نسواں کا فریب

(۷) دین کی حقیقت، تسلیم و رضا

(۸) بدعت ایک سنگین گناہ

عقل کا دائرہ کار

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

عقل کا دائرہ کار

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام
علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد۔

میرے لئے اس اکیڈمی کے مختلف تربیتی کورسوں میں حاضری کا یہ پہلا موقع نہیں ہے۔ بلکہ اس سے پہلے بھی جو تربیتی کورس منعقد ہوتے رہے ہیں۔ ان سے بھی خطاب کرنے کا موقع ملا۔ اس مرتبہ مجھ سے یہ فرمائش کی گئی کہ میں "اسلامائزیشن آف لاز" (ISLAMISATION OF LAWS) کے سلسلے میں آپ حضرات سے کچھ گفتگو کروں۔ اتفاق سے "اسلامائزیشن آف لاز" کا موضوع بڑا طویل اور ہمہ گیر ہے اور مجھے اس وقت ایک اور جگہ بھی جانا ہے۔ اس لئے وقت بھی مختصر ہے۔ لیکن اس مختصر سے وقت میں "اسلامائزیشن آف لاز" کے صرف ایک پہلو کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

"بنیاد پرست" ایک گالی بن چکی ہے۔

جب یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ ہمارا قانون، ہماری معیشت، ہماری سیاست یا ہماری زندگی کا ہر پہلو اسلام کے سانچے میں ڈھلنا چاہئے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ڈھلنا چاہئے؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ یہ سوال اس لئے پیدا ہوا کہ آج ہم ایک ایسے معاشرے میں زندگی گزار رہے ہیں جس میں سیکولر تصورات (Secular Ideas) اس دنیا کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں اور یہ بات تقریباً ساری دنیا میں بطور ایک مسلمہ مان لی گئی ہے کہ کسی ریاست کو چلانے کا بہترین سسٹم سیکولر سسٹم (SECULAR SYSTEM) ہے اور اسی سیکولرازم (Secularism) کے دائرے میں رہتے ہوئے ریاست کو کامیابی کے ساتھ چلایا جاسکتا ہے۔ ایسے ماحول میں جہاں دنیا کی بیشتر ریاستیں بڑی سے لے کر چھوٹی تک، وہ نہ صرف یہ کہ سیکولر (Secular) ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں بلکہ اس پر فخر بھی کرتی ہیں۔ ایسے معاشرے میں یہ آواز بلند کرنا کہ "ہمیں اپنے ملک کو، اپنے قانون کو اپنی معیشت اور سیاست کو، اپنی زندگی کے ہر شعبے کو اسلامائز (Islamize) کرنا چاہئے" یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ معاشرے کو چودہ سو سال پرانے اصولوں کے ماتحت چلانا چاہئے تو یہ آواز آج کی اس دنیا میں اچنبھی اور اجنبی معلوم ہوتی ہے اور اس کو طرح طرح کے طعنوں سے نوازا جاتا ہے۔ بنیاد پرستی اور فنڈامینٹل ازم (Fundame-ntalism) کی اصطلاح ان لوگوں کی طرف سے ایک گالی بنا کر دنیا میں مشہور کر دی گئی ہے۔ اور ان کی نظر میں ہر وہ شخص بنیاد پرست (Fundamentalist) ہے جو یہ کہے کہ "ریاست کا نظام دین کے تابع ہونا چاہئے۔ اسلام کے تابع ہونا چاہئے۔" ایسے شخص کو بنیاد پرست کا خطاب دے کر بدنام کیا جارہا ہے، حالانکہ اگر اس لفظ کے اصل معنی پر غور کیا جائے تو یہ کوئی برا لفظ نہیں تھا۔ فنڈامینٹلسٹ کے معنی یہ ہیں کہ جو بنیادی اصولوں (Fundamental Principles) کو اختیار کرے۔ لیکن ان لوگوں نے اس کو گالی بنا کر مشہور کر دیا ہے۔

اسلامائزیشن کیوں؟

آج کی مجلس میں، میں صرف اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں کہ ہم کیوں اپنی زندگی کو اسلامائیسز (ISLAMIZE) کرنا چاہتے ہیں؟ اور ہم ملکی قوانین کو اسلام کے

سانچے میں کیوں ڈھالنا چاہتے ہیں؟ جبکہ دین کی تعلیمات چودہ سو سال بلکہ بیشتر تو ہزار ہا سال پرانی ہیں۔

ہمارے پاس عقل موجود ہے

اس سلسلے میں، میں جس پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک سیکولر ریاست (SECULAR STATE) جس کو لادینی ریاست کہا جائے۔ وہ اپنے نظام حکومت اور نظام زندگی کو کس طرح چلائے؟ اس کے لئے اس کے پاس کوئی اصول موجود نہیں ہیں بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے پاس عقل موجود ہے۔ ہمارے پاس مشاہدہ اور تجربہ موجود ہے اس عقل، مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہماری اس دور کی ضروریات کیا ہیں؟ اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اور پھر اس کے لحاظ سے کیا چیز ہماری مصلحت کے مطابق ہے؟ اور پھر اسی مصلحت کے مطابق ہم اپنے قوانین کو ڈھال سکتے ہیں۔ بدلتے ہوئے حالات میں ہم اس کے اندر تبدیلی لا سکتے ہیں اور ترقی کر سکتے ہیں۔

کیا عقل آخری معیار ہے؟

ایک سیکولر نظام حکومت میں عقل، تجربے اور مشاہدے کو آخری معیار قرار دے دیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ معیار کتنا مضبوط ہے؟ کیا یہ معیار اس لائق ہے کہ قیامت تک آنے والی انسانیت کی رہنمائی کر سکے؟ کیا یہ معیار تنہا عقل کے بھروسے پر، تنہا مشاہدے اور تجربے کے بھروسے پر ہمارے لئے کافی ہو سکتا ہے؟

ذرائع علم

اس کے جواب کے لئے ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ کوئی بھی نظام جب تک اپنی پشت پر اپنے پیچھے علمی حقائق کا سرمایہ نہ رکھتا ہو اس وقت تک وہ کامیابی سے نہیں چل سکتا۔ اور کسی بھی معاملے میں علم حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو کچھ ذرائع عطا فرمائے ہیں۔ ان ذرائع میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص دائرہ کار ہے۔ اس دائرہ کار تک وہ

ذریعہ کام دیتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس سے آگے وہ ذریعہ کام نہیں دیتا ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔

حواس خمسہ کا دائرہ کار

مثال کے طور پر انسان کو سب سے پہلے جو ذرائع علم عطا ہوئے وہ اس کے حواس خمسہ ہیں، آنکھ، کان، ناک اور زبان وغیرہ۔ آنکھ کے ذریعہ دیکھ کر بہت سی چیزوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ زبان کے ذریعہ چکھ کر علم حاصل ہوتا ہے۔ ناک کے ذریعہ سونگھ کر علم حاصل ہوتا ہے۔ ہاتھ کے ذریعہ چھو کر حاصل ہوتا ہے۔ لیکن علم کے یہ پانچ ذرائع جو مشاہدے کی سرحد میں آتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کا ایک دائرہ کار ہے۔ اس دائرہ کار سے باہر وہ ذریعہ کام نہیں کرتا، آنکھ دیکھ سکتی ہے لیکن سن نہیں سکتی کان سن سکتا ہے، لیکن دیکھ نہیں سکتا۔ ناک سونگھ سکتی ہے، دیکھ نہیں سکتی۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں آنکھ تو بند کر لوں اور کان سے دیکھنا شروع کر دوں تو اس شخص کو ساری دنیا احمق کہے گی۔ اس لئے کہ کان اس کام کے لئے نہیں بنایا گیا۔ اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ تمہارا کان نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے کان سے دیکھنے کی تمہاری کوشش بالکل بیکار ہے۔ جواب میں وہ شخص کہے کہ اگر کان دیکھ نہیں سکتا تو وہ بیکار چیز ہے تو اس کو ساری دنیا احمق کہے گی۔ اس لئے کہ وہ اتنی بات بھی نہیں جانتا کہ کان کا ایک دائرہ کار ہے، اس حد تک وہ کام کرے گا۔ اس سے اگر آنکھ کا کام لینا چاہو گے تو وہ نہیں کرے گا۔

دوسرا ذریعہ علم "عقل"

پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم کے حصول کے لئے یہ پانچ حواس عطا فرمائے ہیں۔ ایک مرحلہ پر جاکر ان پانچوں حواس کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ اس مرحلہ پر نہ تو آنکھ کام دیتی ہے، نہ کان کام دیتا ہے، نہ زبان کام دیتی ہے، نہ ہاتھ کام دیتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں اشیا براہ راست مشاہدہ کی گرفت میں نہیں آتیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو علم کا ایک اور ذریعہ عطا فرمایا ہے اور وہ ہے "عقل" جہاں پر

حواس خمسہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں وہاں پر "عقل" کام آتی ہے، مثلاً میرے سامنے یہ میز رکھی ہے، میں آنکھ سے دیکھ کر یہ بتا سکتا ہوں کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ ہاتھ سے چھو کر معلوم کر سکتا ہوں کہ یہ سخت لکڑی کی ہے، اور اس پر فارمیکا لگا ہوا ہے۔ لیکن اس بات کا علم کہ یہ میز وجود میں کیسے آئی؟ یہ بات میں نہ تو آنکھ سے دیکھ کر بتا سکتا ہوں، نہ کان سے سن کر، نہ ہاتھ سے چھو کر بتا سکتا ہوں۔ اس لئے کہ اس کے بننے کا عمل میرے سامنے نہیں ہوا۔ اس موقع پر میری عقل میری رہنمائی کرتی ہے کہ یہ چیز جو اتنی صاف ستھری بنی ہوئی ہے۔ خود بخود وجود میں نہیں آسکتی۔ اس کو کسی بنانے والے نے بنایا ہے اور وہ بنانے والا اچھا تجربہ کار ماہر بڑھئی (Carpenter) ہے۔ جس نے اس کو خوبصورت شکل میں بنایا ہے۔ لہٰذا یہ بات کہ اس کو کسی کارپینٹر نے بنایا ہے مجھے میری عقل نے بتائی۔ تو جس جگہ پر میرے حواس خمسہ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہاں میری عقل آئی اور اس نے میری رہنمائی کر کے ایک دوسرا علم عطا کیا۔

عقل کا دائرہ کار

لیکن جس طرح ان پانچوں حواس کا دائرہ کار لامحدود (Unlimited) نہیں تھا۔ بلکہ ایک حد پر جاکر ان کا دائرہ کار ختم ہو گیا تھا۔ اسی طرح عقل کا دائرہ کار (Jurisdiction) بھی لامحدود (Unlimited) نہیں ہے۔ عقل بھی ایک حد تک انسان کو کام دیتی ہے۔ ایک حد تک رہنمائی کرتی ہے۔ اس حد سے آگے اگر اس عقل کو استعمال کرنا چاہیں گے تو وہ عقل صحیح جواب نہیں دیگی صحیح، رہنمائی نہیں کرے گی۔

تیسرا ذریعہ علم "وحی الٰہی"

جس جگہ عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ وہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو ایک تیسرا ذریعہ علم عطا فرمایا ہے۔ اور وہ ہے "وحی الٰہی" یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وحی اور آسمانی تعلیم۔ یہ ذریعہ علم شروع ہی اس جگہ سے ہوتا ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جس جگہ "وحی الٰہی" آتی ہے۔ اس جگہ پر عقل کو استعمال کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ آنکھ کے کام کے لئے کان کو استعمال کرنا۔ کان کے کام کے

لئے آنکھ کو استعمال کرنا۔ اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ عقل بیکار ہے، نہیں بلکہ وہ کار آمد چیز ہے، بشرطیکہ آپ کو اس کے دائرہ کار (Jurisdiction) میں استعمال کریں۔ اگر اس کے دائرہ کار سے باہر استعمال کریں گے تو یہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص آنکھ اور کان سے سونگھنے کا کام لے۔

اسلام اور سیکولر نظام میں فرق

اسلام اور ایک سیکولر نظام حیات میں یہی فرق ہے کہ سیکولر نظام میں علم کے پہلے دو ذرائع استعمال کرنے کے بعد رک جاتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان کے پاس علم کے حصول کا کوئی تیسرا ذریعہ نہیں ہے بس ہماری آنکھ، کان، ناک ہے اور ہماری عقل ہے۔ اس سے آگے کوئی اور ذریعہ علم نہیں ہے۔ اور اسلام یہ کہتا ہے کہ ان دونوں ذرائع کے آگے تمہارے پاس ایک اور ذریعہ علم بھی ہے اور وہ ہے "وحی الٰہی"۔

وحی الٰہی کی ضرورت

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کا یہ دعویٰ کہ عقل کے ذریعہ ساری باتیں معلوم نہیں کی جاسکتیں، بلکہ آسمانی ہدایت کی ضرورت ہے، وحی الٰہی کی ضرورت ہے پیغمبروں اور رسولوں کی ضرورت ہے، آسمانی کتابوں کی ضرورت ہے۔ اسلام کا یہ دعویٰ ہمارے موجودہ معاشرے میں کس حد تک درست ہے؟

عقل دھوکہ دینے والی ہے

آج کل عقل پرستی (Rationalism) کا بڑا زور ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہر چیز کو عقل کی میزان پر پرکھ کر اور تول کر انتقید کریں گے لیکن عقل کے پاس کوئی ایسا لگا بندھا ضابطہ (Formula) اور کوئی لگا بندھا اصول (Principle) نہیں ہے، جو عالمی حقیقت (Universal Truth) رکھتا ہو ۔ جس کو ساری دنیا کے انسان تسلیم کرلیں اور اس کے ذریعہ وہ اپنے خیر و شر اور اچھائی برائی کا معیار تجویز کرسکیں۔ کون سی چیز اچھی

ہے؟ کون سی چیز بری ہے؟ کون سی چیز اختیار کرنی چاہئے؟ کون سی چیز اختیار نہیں کرنی چاہئے؟ یہ فیصلہ جب ہم عقل کے حوالے کرتے ہیں تو آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ جائیے، اس میں آپ کو یہ نظر آئے گا کہ اس عقل نے انسان کو اتنے دھوکے دیئے ہیں جس کا کوئی شمار اور حد و حساب ممکن نہیں۔ اگر عقل کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا تو انسان کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے لئے میں تاریخ سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

بہن سے نکاح خلاف عقل نہیں

آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے عالم اسلام میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا۔ جس کو "باطنی فرقہ" اور "قرامطہ" کہتے ہیں۔ اس فرقے کا ایک مشہور لیڈر گزرا ہے جس کا نام عبید اللہ بن حسن قیروانی ہے۔ اس نے اپنے پیرو کاروں کے نام ایک خط لکھا ہے وہ خط بڑا دلچسپ ہے۔ جس میں اس نے اپنے پیرو کاروں کو زندگی گزارنے کے لئے ہدایات دی ہیں۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ:

> "میری سمجھ میں یہ بے عقلی کی بات نہیں آتی ہے کہ لوگوں کے پاس اپنے گھر میں ایک بڑی خوبصورت، سلیقہ شعار لڑکی بہن کی شکل میں موجود ہے اور بھائی کے مزاج کو بھی سمجھتی ہے۔ اس کی نفسیات سے بھی واقف ہے۔ لیکن یہ بے عقل انسان اس بہن کا ہاتھ اجنبی شخص کو پکڑا دیتا ہے۔ جس کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ نباہ صحیح ہو سکے گا یا نہیں؟ وہ مزاج سے واقف ہے یا نہیں؟ اور خود اپنے لئے بعض اوقات ایک ایسی لڑکی لے آتے ہیں جو حسن و جمال کے اعتبار سے بھی، سلیقہ شعاری کے اعتبار سے بھی، مزاج شناسی کے اعتبار سے بھی اس بہن کے ہم پلہ نہیں ہوتی۔
>
> میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بے عقلی کا کیا جواز ہے کہ اپنے گھر کی دولت تو دوسرے کے ہاتھ میں دے دے۔ اور اپنے پاس ایک ایسی چیز لے آئے جو اس کو پوری راحت و آرام نہ دے۔ یہ بے عقلی ہے۔ عقل کے خلاف ہے میں اپنے پیروؤں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بے عقلی سے اجتناب کریں اور اپنے گھر کی دولت کو گھر ہی میں رکھیں۔ (الفرق بین

الفرق للبغدادی ص ۲۹۷۔ وبیان مذاہب الباطنیہ للدیلمی، ص ۸۱)

بہن اور جنسی تسکین

اور دوسری جگہ عبید اللہ بن حسن قیروانی عقل کی بنیاد پر اپنے پیروؤں کو یہ پیغام دے رہا ہے، وہ کہتا ہے کہ:

> "یہ کیا وجہ ہے کہ جب ایک بہن اپنے بھائی کے لئے کھانا پکا سکتی ہے، اس کی بھوک دور کر سکتی ہے، اس کی راحت کے لئے اس کے کپڑے سنوار سکتی ہے، اس کا بستر درست کر سکتی ہے تو اس کی جنسی تسکین کا سامان کیوں نہیں کر سکتی؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو عقل کے خلاف ہے۔" (الفرق بین الفرق للبغدادی، ص ۲۹۷۔ وبیان مذاہب الباطنیہ للدیلمی، ص ۸۱)

عقلی جواب ناممکن ہے

آپ اس کی بات پر جتنی چاہے لعنت بھیجیں، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ خالص عقل کی بنیاد پر جو وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہو۔ جس کو وحی الٰہی کی روشنی میسر نہ ہو۔ اس عقل کی بنیاد پر آپ اس کے اس استدلال کا جواب دیں۔ خالص عقل کی بنیاد پر قیامت تک اس کے اس استدلال کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔

عقلی اعتبار سے بد اخلاقی نہیں

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ تو بڑی بد اخلاقی کی بات ہے، بڑی گھناؤنی بات ہے تو اس کا جواب موجود ہے کہ یہ بد اخلاقی اور گھناؤنا پن یہ سب ماحول کے پیدا کردہ تصورات ہیں۔ آپ ایک ایسے ماحول میں پیدا ہوئے ہیں جہاں اس بات کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے آپ اس کو معیوب سمجھتے ہیں۔ ورنہ عقلی اعتبار سے کوئی عیب نہیں۔

نسب کا تحفظ کوئی عقلی اصول نہیں

اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اس سے حسب و نسب کا سلسلہ خراب ہو جاتا ہے تو اس کا جواب موجود ہے کہ نسبوں کا سلسلہ خراب ہو جاتا ہے تو ہونے دو۔ اس میں کیا برائی

ہے؟ نسب کا تحفظ کون سا ایسا عقلی اصول ہے کہ اس کی وجہ سے نسب کا تحفظ ضرور کیا جائے۔

یہ بھی ہیومین ارج (Human Urge) کا حصہ ہے۔

اگر آپ اس استدلال کے جواب میں یہ کہیں کہ اس سے طبی طور پر نقصانات ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اب یہ تصورات سامنے آئے ہیں کہ استلذاذ بالا قارب (Incest) سے طبی نقصانات بھی ہوتے ہیں۔

لیکن آپ کو معلوم ہے کہ آج مغربی دنیا میں اس موضوع پر کتابیں آرہی ہیں کہ استلذاذ بالا قارب (Incest) انسان کی فطری خواہش (HUMAN URGE) کا ایک حصہ ہے۔ اور اس کے جو طبی نقصانات بیان کئے جاتے ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں۔ وہی نعرہ جو آج سے آٹھ سو سال پہلے عبید اللہ بن حسن قیروان نے لگایا تھا۔ اس کی نہ صرف صدائے بازگشت بلکہ آج مغربی ملکوں میں اس پر کسی طرح عمل ہو رہا ہے۔

وحی الٰہی سے آزادی کا نتیجہ

یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ عقل کو اس جگہ استعمال کیا جا رہا ہے جو عقل کے دائرہ کار (Jurisdiction) میں نہیں ہے۔ جہاں وحی الٰہی کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اور عقل کو وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ ہم جنس پرستی (Sexuality) کے جواز کا بل تالیوں کی گونج میں منظور کر رہی ہے۔

اور اب تو باقاعدہ یہ ایک علم بن گیا ہے۔ میں ایک مرتبہ اتفاق سے نیویارک کے ایک کتب خانہ میں گیا۔ وہاں پر پورا ایک علیحدہ سیکشن تھا جس پر یہ عنوان لگا ہوا تھا کہ "گے اسٹائل آف لائف (GAY STYLE OF LIFE) تو اس موضوع پر کتابوں کا ایک ذخیرہ آچکا ہے اور باقاعدہ ان کی انجمنیں ہیں۔ ان کے گروپ اور جماعتیں ہیں، اور وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ اس زمانے میں نیویارک کا میئر (Mayor) بھی ایک Gay تھا۔

عقل کا فریب

پچھلے ہفتے کے امریکی رسالے ٹائم کو اگر آپ اٹھا کر دیکھیں تو اس میں یہ خبر آئی ہے کہ خلیج کی جنگ میں حصہ لینے والے فوجیوں میں سے تقریباً ایک ہزار افراد کو صرف اس لئے فوج سے نکال دیا گیا کہ وہ ہم جنس پرست (Homo Sexual) تھے۔ لیکن اس اقدام کے خلاف شور مچ رہا ہے۔ مظاہرے ہو رہے ہیں، اور چاروں طرف سے یہ آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ یہ بات کہ ہم جنس پرست ہونے کی وجہ سے آپ نے ان لوگوں کو فوج کے عہدوں سے برخاست کر دیا ہے۔ یہ بات بالکل عقل کے خلاف ہے اور ان کو دوبارہ بحال کرنا چاہئے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ تو ایک ہیومن ارج (Human Urge) ہے۔ اور آج (Human Urge) کا بہانہ لے کر دنیا کی ہر بری سے بری بات کو جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ سب عقل کی بنیاد پر ہو رہا ہے کہ جناب! عقلی اعتبار سے اس میں کیا خرابی ہے۔ اور یہ تو صرف جنس انسانی کی بات تھی۔ اب تو بات جانوروں، کتوں، گدھوں اور گھوڑوں تک نوبت پہنچ گئی ہے اور اس کو بھی باقاعدہ نظریہ بیان کیا جا رہا ہے۔

عقل کا ایک اور فریب

بات واضح کرنے کے لئے ایک اور مثال عرض کر دوں کہ یہ ایٹم بم جس کی تباہ کاریوں سے تمام دنیا آج خوف زدہ اور پریشان ہے، اور ایٹمی اسلحہ میں تخفیف کے طریقے تلاش کر رہی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (Encyclopaedia of Britan-nica) میں ایٹم بم پر جو مقالہ لکھا گیا ہے اس کو ذرا کھول کر دیکھیں۔ اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ دنیا میں ایٹم بم کا تجربہ دو جگہ پر کیا گیا ہے۔ ایک ہیروشیما اور دوسرے ناگا ساکی پر، اور ان دونوں مقامات پر ایٹم بم کے ذریعہ جو تباہی ہوئی اس کا ذکر تو بعد میں آگے چل کر کیا ہے، لیکن اس مقالے کو شروع یہاں سے کیا گیا ہے کہ ہیروشیما اور ناگا ساکی پر جو ایٹم بم برسائے گئے اس کے ذریعہ ایک کروڑ انسانوں کی جانیں بچائی گئیں، اور ان کو موت کے منہ سے نکالا گیا۔ اور اس کی منطق یہ لکھی ہے کہ اگر ہیروشیما اور ناگا

ساکی پر بم نہ گرائے جاتے تو پھر جنگ مسلسل جاری رہتی اور اس میں اندازہ یہ تھا کہ تقریباً ایک کروڑ انسان مزید مر جاتے۔ تو ایٹم بم کا تعارف اس طرح کرایا گیا کہ ایٹم بم وہ چیز ہے جس سے ایک کروڑ انسانوں کی جانیں بچائی گئیں۔ یہ اس واقعے کا جواز (Justification) پیش کیا جا رہا ہے۔ جس پر ساری دنیا لعنت بھیجتی ہے کہ ان ایٹم بم کے ذریعہ ہیروشیما اور ناگاساکی میں ان بچوں کی نسلیں تک تباہ کر دی گئیں۔ بے گناہوں کو مارا گیا اور یہ جواز (Justification) بھی عقل کی بنیاد پر ہے۔

لہٰذا کوئی بری سے بری بات اور کوئی سنگین سے سنگین خرابی ایسی نہیں ہے جس کے لئے عقل کوئی نہ کوئی دلیل اور کوئی نہ کوئی جواز فراہم نہ کر دے۔

آج ساری دنیا فاشزم (Fascism) پر لعنت بھیج رہی ہے اور سیاست کی دنیا میں ہٹلر اور مسولینی کا نام ایک گالی بن گیا ہے۔ لیکن آپ ذرا ان کا فلسفہ تو اٹھا کر دیکھیں کہ انہوں نے اپنے فاشزم (Fascism) کو کس طرح فلسفیانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک معمولی سمجھ کا آدمی اگر فاشزم کے فلسفے کو پڑھے گا تو اسے اعتراف ہونے لگے گا کہ بات تو سمجھ میں آتی ہے معقول بات ہے۔ یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ عقل ان کو اس طرف لے جا رہی ہے...... بہرحال! دنیا کی کوئی بد سے بدتر برائی ایسی نہیں ہے جس کو عقل کی دلیل کی بنیاد پر صحیح تسلیم کرانے کی کوشش نہ کی جاتی ہو۔ اس لئے کہ عقل کو اس جگہ استعمال کیا جا رہا ہے جہاں اس کے استعمال کی جگہ نہیں ہے۔

عقل کی مثال

علامہ ابن خلدون جو بہت بڑے مؤرخ اور فلسفی گزرے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عقل دی ہے وہ بڑی کام کی چیز ہے۔ لیکن یہ اسی وقت تک کام کی چیز ہے جب اس کو اس کے دائرے میں استعمال کیا جائے۔ لیکن اگر اس کو اس کے دائرہ سے باہر استعمال کرو گے تو یہ کام نہیں دے گی اور پھر اس کی ایک بڑی اچھی مثال دی ہے کہ عقل کی مثال ایسی ہے جیسے سونا تولنے کا کانٹا۔ وہ کانٹا چند گرام سونا تول لیتا ہے اور بس اس حد تک وہ کام دیتا ہے۔ اور وہ صرف سونا تولنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کانٹے میں پہاڑ تولنا چاہے گا تو اس کے نتیجے میں وہ کانٹا ٹوٹ

جائے گا اور جب پہاڑ تولنے کے نتیجے میں وہ ٹوٹ جائے تو اگر کوئی شخص کہے کہ یہ کانٹا تو بیکار چیز ہے، اس لئے کہ اس سے پہاڑ تو تلتا نہیں ہے۔ اس نے تو کانٹے کو توڑ دیا تو اسے ساری دنیا احمق کہے گی۔

بات دراصل یہ ہے کہ اس نے کانٹے کو غلط جگہ پر استعمال کیا اور غلط کام میں استعمال کیا اس لئے وہ کانٹا ٹوٹ گیا۔ (مقدمہ ابن خلدون، بحث علم کلام، ص ۴۴۰)

اسلام اور سیکولرازم میں فرق

اسلام اور سیکولرازم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ بیشک تم عقل کو استعمال کرو۔ لیکن صرف اس حد تک جہاں تک وہ کام دیتی ہے۔ ایک سرحد ایسی آتی ہے جہاں عقل کام دینا چھوڑ دیتی ہے بلکہ غلط جواب دینا شروع کر دیتی ہے، جیسے کمپیوٹر ہے۔ اگر آپ اس کو اس کام میں استعمال کریں جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے تو وہ فوراً جواب دے دے گا۔ لیکن جو چیز اس کمپیوٹر میں فیڈ (Feed) نہیں کی گئی۔ وہ اگر اس سے معلوم کرنا چاہیں تو نہ صرف یہ کہ وہ کمپیوٹر کام نہیں کرے گا، بلکہ غلط جواب دینا شروع کر دے گا۔ اسی طرح جو چیز اس عقل کے اندر فیڈ نہیں کی گئی۔ جس چیز کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک تیسرا ذریعہ علم عطا فرمایا ہے، جو وحی الٰہی ہے۔ جب وہاں عقل کو استعمال کرو گے تو یہ عقل غلط جواب دینا شروع کر دے گی۔ یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ جس کے لئے قرآن کریم اتارا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت ہے کہ:

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ

ہم نے آپ کے پاس یہ کتاب بھیجی جس سے واقع کے موافق آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔ (سورہ النساء ۱۰۵)

یہ قرآن کریم آپ کو بتائے گا کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے؟ یہ بتائے گا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ یہ بتائے گا کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟ یہ سب باتیں آپ کو محض عقل کی بنیاد پر نہیں معلوم ہو سکتیں۔

آزادی فکر کے علم بردار ادارے کا حال

ایک معروف بین الاقوامی ادارہ ہے۔ جس کا نام "ایمنسٹی انٹرنیشنل" ہے۔ اس کا ہیڈ آفس پیرس میں ہے۔ آج سے تقریباً ایک ماہ پہلے اس کے ایک ریسرچ اسکالر سروے کرنے کے لئے پاکستان آئے ہوئے تھے۔ خدا جانے کیوں وہ میرے پاس بھی انٹرویو کرنے کے لئے آگئے اور انہوں نے آکر مجھ سے گفتگو شروع کی کہ ہمارا مقصد آزادی فکر اور حریت فکر کے لئے کام کرنا ہے۔ بہت سے لوگ آزادی فکر کی وجہ سے جیلوں اور قیدوں میں بند ہیں۔ ان کو نکالنا چاہتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا غیر متنازعہ موضوع ہے۔ جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ مجھے اس لئے پاکستان بھیجا گیا کہ میں اس موضوع پر مختلف طبقوں کے خیالات معلوم کروں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کا بھی مختلف اہل دانش سے تعلق ہے۔ اس لئے میں آپ سے بھی کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔

آج کل کا سروے

میں نے ان سے پوچھا کہ آپ یہ سروے کس مقصد سے کرنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے مختلف حلقوں میں اس سلسلے میں کیا رائیں پائی جاتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کراچی کب تشریف لائے؟ جواب دیا کہ آج صبح پہنچا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ واپس کب تشریف لے جائیں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کل صبح میں اسلام آباد جا رہا ہوں (رات کے وقت یہ ملاقات ہو رہی تھی) میں نے پوچھا اسلام آباد میں کتنے روز قیام رہے گا؟ فرمایا کہ ایک دن اسلام آباد میں رہوں گا۔ میں نے ان سے کہا کہ پہلے تو آپ مجھے یہ بتائیں آپ پاکستان کے مختلف حلقوں کے خیالات کا سروے کرنے جا رہے ہیں اور اس کے بعد آپ رپورٹ تیار کر کے پیش کریں گے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ ان دو تین شہروں میں دو تین دن گزارنا آپ کے لئے کافی ہو گا؟ کہنے لگے: کہ ظاہر ہے کہ تین دن میں سب کے خیالات تو معلوم نہیں ہو سکتے۔ لیکن میں مختلف حلقہ ہائے فکر سے مل

رہا ہوں۔ کچھ لوگوں سے ملاقاتیں ہوئی ہیں اور اسی سلسلے میں آپ کے پاس بھی آیا ہوں، آپ بھی میری کچھ رہنمائی کریں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آج آپ نے کراچی میں کتنے لوگوں سے ملاقات کی؟ کہنے لگے میں نے پانچ آدمیوں سے ملاقات کر لی ہے، اور چھٹے آپ ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ ان چھ آدمیوں کے خیالات معلوم کر کے ایک رپورٹ تیار کر دیں گے کہ کراچی والوں کے خیلات یہ ہیں۔ معاف کیجئے مجھے آپ کے اس سروے کی سنجیدگی پر شبہ ہے اس لئے کہ تحقیقی ریسرچ اور سروے کا کوئی کام اس طرح نہیں ہوا کرتا ہے۔ اس لئے میں آپ کے کسی سوال کا جواب دینے سے معذور ہوں۔ اس پر وہ معذرت کرنے لگے کہ میرے پاس وقت کم تھا۔ اس لئے صرف چند حضرات سے مل سکا ہوں۔ احقر نے عرض کیا کہ وقت کی کمی کی صورت میں سروے کا یہ کام ذمہ لینا کیا ضروری تھا؟ پھر انہوں نے اصرار شروع کر دیا کہ اگرچہ آپ کا اعتراض حق بجانب ہے، لیکن میرے چند سوالات کا جواب تو آپ دے ہی دیں۔ احقر نے پھر معذرت کی اور عرض کیا میں اس غیر سنجیدہ اور ناتمام سروے میں کسی تعاون سے معذور ہوں۔ البتہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ سے اس ادارے کی بنیادی فکر کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے کہ "دراصل تو میں آپ سے سوال کرنے کے لئے آیا تھا، لیکن اگر آپ جواب نہیں دینا چاہتے تو بیشک آپ ہمارے ادارے کے بارے میں جو سوال کرنا چاہیں کر لیں۔

کیا آزادی فکر کا نظریہ بالکل مطلق (Absolute) ہے؟

میں نے ان سے کہا کہ آپ نے فرمایا کہ یہ ادارہ جس کی طرف سے آپ کو بھیجا گیا ہے یہ آزادی فکر کا علم بردار ہے۔ بیشک یہ آزادی فکر بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ آزادی فکر آپ کی نظر میں بالکل مطلق (Absolute) ہے؟ یا اس پر کوئی پابندی بھی ہونی چاہئے؟ کہنے لگے کہ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ میں نے کہا کہ میرا مطلب یہ ہے کہ آزادی فکر کا یہ تصور کیا اتنا ابسلوٹ (Absolute) ہے کہ جو بھی انسان کے دل میں آئے وہ دوسروں کے سامنے برملا کہے اور اس کی تبلیغ کرے اور لوگوں کو اس کی دعوت دے؟ مثلاً میری سوچ یہ کہتی ہے کہ سرمایہ داروں نے بہت

دولت جمع کر لی ہے اس لئے غریبوں کو یہ آزادی ہونی چاہئے کہ وہ ان سرمایہ داروں پر ڈاکے ڈالیں اور ان کا مال چھین لیں اور میں اپنی اسی سوچ کی تبلیغ بھی شروع کر دوں کہ غریب جا کر ڈاکہ ڈالیں اور کوئی ان کو پکڑنے والا نہ ہو۔ اس لئے کہ سرمایہ داروں نے غریبوں کا خون چوس کر یہ دولت جمع کی ہے۔ اب آپ بتائیں کہ کیا آپ اس آزادی فکر کے حامی ہوں گے یا نہیں؟

آپ کے پاس کوئی نپا تلا معیار (Yardstick) نہیں

وہ کہنے لگے اس کے تو ہم حامی نہیں ہوں گے۔ میں نے کہا کہ میں یہی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جب آزادی فکر کا تصور بالکل اب سلوٹ (Absolute) نہیں ہے۔ تو کیا آپ اس کو مانتے ہیں کہ کچھ قیدیں ہونی چاہئے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! کچھ قیدیں تو ہونی چاہئے۔ مثلاً میرا خیال یہ ہے کہ آزادی فکر کو اس شرط کا پابند ہونا چاہئے کہ اس کا نتیجہ دوسروں پر تشدد (Violance) کی صورت میں ظاہر نہ ہو۔ میں نے عرض کیا کہ یہ قید تو آپ نے اپنی سوچ کے مطابق عائد کر دی، لیکن اگر کسی شخص کی دیانت دارانہ رائے یہ ہو کہ بعض اعلیٰ مقاصد تشدد کے بغیر حاصل نہیں ہوتے، اور ان اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے تشدد کے نقصانات برداشت کرنے چاہئیں تو کیا اس کی یہ آزادی فکر قابل احترام ہے یا نہیں؟ دوسرے جس طرح آپ نے اپنی سوچ سے "آزادی فکر" پر ایک پابندی عائد کر دی۔ اسی طرح اگر کوئی دوسرا شخص اسی قسم کی کوئی اور پابندی اپنی سوچ سے عائد کرنا چاہے تو اس کو بھی اس کا اختیار ملنا چاہئے، ورنہ کوئی وجہ ہونی چاہئے کہ آپ کی سوچ پر عمل کیا جائے اور دوسرے کی سوچ پر عمل نہ کیا جائے لہٰذا اصل سوال یہ ہے کہ وہ کچھ قیدیں کیا ہونی چاہئے؟ اور یہ فیصلہ کون کرے گا کہ یہ قید ہونی چاہئے؟ اور آپ کے پاس وہ معیار کیا ہے۔ جس کی بنیاد پر آپ یہ فیصلہ کریں کہ آزادی فکر پر فلاں قسم کی پابندی لگائی جا سکتی ہے اور فلاں قسم کی پابندی نہیں لگائی جا سکتی؟ آپ مجھے کوئی نپا تلا معیار (Yardstick) بتائیں۔ جس کے ذریعہ آپ یہ فیصلہ کر سکیں کہ فلاں قسم کی پابندی جائز ہے اور فلاں قسم کی پابندی ناجائز ہے۔

انہوں نے جواب دیا کہ صاحب! ہم نے اس پہلو پر کبھی باقاعدہ غور نہیں کیا،

میں نے کہا آپ اتنے بڑے عالمی ادارے سے وابستہ ہیں اور اسی کام کے سروے کے لئے آپ جارہے ہیں اور اسی کام کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ لیکن یہ بنیادی سوال کہ آزادی فکر کی حدود کیا ہونی چاہئیں؟ اس کا اسکوپ (Scope) کیا ہونا چاہئے؟ اگر یہ آپ کے ذہن میں نہیں ہے پھر آپ کا یہ پروگرام مجھے بار آور ہوتا نظر نہیں آتا۔ براہ کرم میرے اس سوال کا جواب آپ مجھے اپنے لٹریچر سے فراہم کردیں، یا دوسرے حضرات سے مشورہ کرکے فراہم کردیں۔

انسان کے پاس وحی کے علاوہ کوئی معیار نہیں

کہنے لگے کہ آپ کے یہ خیالات اپنے ادارے تک پہنچاؤں گا اور اس موضوع پر جو ہمارا لٹریچر ہے وہ بھی فراہم کروں گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور جلد رخصت ہو گئے۔ میں آج تک ان کے وعدے کے مطابق لٹریچر یا اپنے سوال کے جواب کا منتظر ہوں اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ قیامت تک نہ سوال کا جواب فراہم کرسکتے ہیں، نہ کوئی ایسا معیار پیش کرسکتے ہیں جو عالمگیر مقبولیت (Universally Applica-ble) کا حامل ہو۔ اس لئے کہ آپ ایک معیار متعین کریں گے دوسرا شخص دوسرا معیار متعین کرے گا۔ آپ کا بھی اپنے ذہن کا سوچا ہوا معیار ہوگا۔ اس کا معیار بھی اس کے ذہن کا سوچا ہوا ہوگا۔ اور دنیا میں کوئی شخص ایسا معیار تجویز کردے جو ساری دنیا کے لئے مکمل طور پر قابل قبول ہو۔ یہ بات میں کسی تردید کے خوف کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ واقعتاً انسان کے پاس وحی الٰہی کے سوا کوئی معیار نہیں ہے جو ان مبہم تصورات پر جائز حدیں قائم کرنے کا کوئی لازمی اور ابدی معیار فراہم کرسکے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے سوا انسان کے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔

صرف مذہب معیار بن سکتا ہے

آپ فلسفہ کو اٹھا کر دیکھئے۔ اس میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا ہے کہ قانون کا اخلاق سے کیا تعلق ہے؟ قانون میں ایک مکتب فکر ہے جس کا یہ کہنا ہے کہ قانون کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اچھے برے کا تصور غلط ہے۔ نہ کوئی چیز اچھی ہے، نہ کوئی چیز بری

ہے۔ وہ کہتا کہ یہ Should اور Shoud not اور Ought وغیرہ کے الفاظ در حقیقت انسان کی خواہش نفس کے پیدا کردہ ہیں۔ ورنہ اس قسم کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس واسطے جو معاشرہ جس وقت جو چیز اختیار کر لے وہ اس کے لئے درست ہے۔ اور ہمارے پاس اچھائی اور برائی کے لئے کوئی معیار نہیں ہے جو یہ بتا سکے کہ فلاں چیز اچھی ہے اور فلاں چیز بری ہے۔ اور یہ اصول قانون پر مشہور ٹیکسٹ بک Jurisprudence ہے، اس میں اس بحث کے آخر میں ایک جملہ لکھا ہے کہ:

> "انسانیت کے پاس ان چیزوں کے تعین کے لئے ایک چیز معیار بن سکتی تھی، وہ ہے مذہب (Religion) لیکن چونکہ ریلیجن (Religion) کا تعلق انسان کی بلیف (Belief) اور عقیدے سے ہے اور سیکولر نظام حیات میں اس کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اس واسطے ہم اس کو ایک بنیاد کے طور پر نہیں اپنا سکتے۔"

ہمارے پاس اس کو روکنے کی کوئی دلیل نہیں ہے

ایک اور مثال یاد آگئی ہے جیسا کہ ابھی میں نے عرض کیا تھا جس وقت برطانیہ کی پارلیمنٹ میں ہم جنس پرستی (Homo Sexuality) کا بل تالیوں کی گونج میں پاس ہوا۔ اس بل کے پاس ہونے سے پہلے کافی مخالفت بھی ہوئی اور اس بل پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو اس مسئلہ پر غور کرے کہ آیا یہ بل پاس ہونا چاہئے یا نہیں؟ اس کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی ہے اور فریڈ مین (Fridman) کی مشہور کتاب "دی لیگل تھیوری" (The Legaltheory) میں اس رپورٹ کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ اس کمیٹی نے ساری رپورٹ لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ:

> "اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ چیز اچھی نہیں لگتی۔ لیکن چونکہ ہم ایک مرتبہ یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ انسان کی پرائیویٹ زندگی میں قانون کو دخل انداز نہیں ہونا چاہئے اس لئے اس اصول کی روشنی میں جب تک ہم سن (Sin) اور کرائم (Crime) میں تفریق برقرار رکھیں گے کہ سن اور چیز ہے اور کرائم علیحدہ چیز ہے۔ اس وقت تک ہمارے پاس اس عمل کو روکنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہاں! اگر سن اور کرائم کو ایک تصور کر لیا جائے تو پھر بیشک

اس بل کے خلاف رائے دی جاسکتی ہے۔ اس واسطے ہمارے پاس اس بل کو
رد کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس لئے یہ بل پاس ہو جانا چاہئے۔"

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ (Law) کو اسلامائز کیا جائے تو اس کے معنی یہی ہیں کہ سیکولر نظام نے حصول علم کی جو دو بنیادیں، آنکھ، کان، ناک، زبان وغیرہ اور عقل اختیار کی ہوئی ہیں، اس سے آگے ایک اور قدم بڑھا کر وحی الٰہی کو بھی حصول علم اور رہنمائی کا ذریعہ قرار دے کر اس کو اپنا شعار بنائیں۔

اس حکم کی ریزن (Reason) میری سمجھ میں نہیں آتی

اور جب یہ بات ذہن میں آجائے کہ وحی الٰہی شروع ہی وہاں سے ہوتی ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ تو پھر وحی الٰہی کے ذریعہ قرآن وسنت میں جب کوئی حکم آجائے۔ اس کے بعد اس بناء پر اس حکم کو رد کرنا کہ صاحب اس حکم کا ریزن (Reas-on) میری سمجھ میں نہیں آتا احمقانہ فعل ہو گا۔ اس واسطے کہ وحی کا حکم آیا ہی اس جگہ پر ہے جہاں ریزن کام نہیں دے رہی تھی۔ اگر ریزن کام دے چکی ہوتی تو پھر وحی کے آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اگر اس حکم کے پیچھے جو حکمتیں ہیں اگر وہ ساری حکمتیں تمہاری عقل ادراک کر سکتی تھی تو پھر اللہ کو وحی کے ذریعہ اس کے حکم دینے کی چنداں حاجت نہیں تھی۔

قرآن و حدیث میں سائنس اور ٹیکنالوجی

یہیں سے ایک اور سوال کا جواب بھی ہو گیا۔ جو اکثر ہمارے پڑھے لکھے طبقے کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ صاحب! آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ساری دنیا سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کر رہی ہے لیکن ہمارا قرآن اور ہماری حدیث سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں کوئی فارمولا ہمیں نہیں بتاتا۔ کہ کس طرح ایٹم بم بنائیں، کس طرح ہائیڈروجن بم بنائیں۔ اس کا کوئی فارمولا نہ تو قرآن کریم میں ملتا ہے اور نہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے۔ اس کی وجہ سے بعض لوگ احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں کہ صاحب! دنیا چاند اور مریخ پر پہنچ رہی ہے اور ہمارا قرآن ہمیں اس بارے

میں کچھ نہیں بتاتا کہ چاند پر کیسے پہنچیں؟

سائنس اور ٹیکنالوجی تجربہ کا میدان ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا قرآن ہمیں یہ باتیں اس لئے نہیں بتاتا کہ وہ دائرہ عقل کا ہے۔ وہ تجربہ کا دائرہ ہے۔ وہ ذاتی محنت اور کوشش کا دائرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو انسان کے ذاتی تجربے عقل اور کوشش پر چھوڑا ہے کہ جو شخص جتنی کوشش کرے گا اور عقل کو استعمال کرے گا، تجربہ کو استعمال کرے گا، اس میں آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ قرآن آیا ہی اس جگہ پر ہے جہاں عقل کا دائرہ ختم ہو رہا تھا۔ عقل اس کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتی، ان چیزوں کا ہمیں قرآن کریم نے سبق پڑھایا ہے۔ ان چیزوں کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم کی ہیں۔

لہٰذا اسلامائزیشن آف لاز کا سارا فلسفہ یہ ہے کہ ہم اپنی پوری زندگی کو اس کے تابع بنائیں۔

اسلام کے احکام میں لچک (Elasticity) موجود ہے

آخر میں ایک بات یہ عرض کر دوں کہ جب اوپر کی بات سمجھ میں آگئی تو پھر دل میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ہم چودہ سو سال پرانی زندگی کو کیسے لوٹائیں؟ چودہ سو سال پرانے اصولوں کو آج کی بیسویں اور اکیسویں صدی پر کیسے اپلائی کریں؟ اس لئے کہ ہماری ضروریات نوع بنوع ہیں، بدلتی رہتی ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ اسلامی علوم سے انسیت کی وجہ سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسلام نے اپنے احکام کے تین حصے کئے ہیں، ایک حصہ وہ ہے جس میں قرآن وسنت کی نص قطعی موجود ہے۔ جس میں قیام قیامت تک آنے والے حالات کی وجہ سے کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ اصول غیر متبدل ہیں۔ زمانہ کیسا ہی بدل جائے، لیکن اس میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس میں اجتہاد اور استنباط کی گنجائش رکھی گئی ہے، اور اس میں اس درجہ کی نصوص قطعیہ نہیں ہیں جو زمانہ کے حال پر اپلائی کریں۔ اس میں اسلامی احکام کی لچک (Elas-ticity) خود موجود ہے۔ اور احکام کا تیسرا حصہ وہ ہے جس کے بارے میں قرآن وسنت

خاموش ہیں۔ جن کے بارے میں کوئی ہدایت اور کوئی رہنمائی نہیں کی گئی۔ جن کے بارے میں قرآن وسنت نے کوئی حکم نہیں دیا۔ حکم کیوں نہیں دیا؟ اس لئے کہ اس کو ہماری عقل پر چھوڑ دیا ہے۔ اور اس کا اتنا وسیع دائرہ ہے کہ ہر دور میں انسان اپنی عقل اور تجربہ کو استعمال کر کے اس خالی میدان (Unoccupied Area) میں ترقی کر سکتا ہے اور ہر دور کی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔

ان احکام میں قیامت تک تبدیلی نہیں آئے گی

دوسرا حصہ، جس میں اجتہاد اور استنباط کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس کے اندر بھی حالات کے لحاظ سے علتوں کے بدلنے کی وجہ سے احکام کے اندر تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ البتہ پہلا حصہ بیشک کبھی نہیں بدل سکتا۔ قیامت آجائے گی لیکن وہ نہیں بدلے گا۔ اس لئے کہ وہ در حقیقت انسان کے فطرت کے ادراک پر مبنی ہے۔ انسان کے حالات بدل سکتے ہیں، لیکن فطرت نہیں بدل سکتی۔ اور چونکہ وہ فطرت کے ادراک پر مبنی ہیں اس لئے ان میں بھی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔

بہر حال! جہاں تک شریعت نے ہمیں گنجائش دی ہے گنجائش کے دائرہ میں رہ کر ہم اپنی ضروریات کو پورے طریقے سے استعمال کر سکتے ہیں۔

اجتہاد کہاں سے شروع ہوتا ہے

اجتہاد کا دائرہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں نص قطعی موجود نہ ہو۔ جہاں نص موجود ہو وہاں عقل کو استعمال کر کے نصوص کے خلاف کوئی بات کہنا در حقیقت اپنے دائرہ کار (Jurisdiction) سے باہر جانے والی بات ہے اور اسی کے نتیجے میں دین کی تحریف کا راستہ کھلتا ہے۔ جس کی ایک مثال آپ حضرات کے سامنے عرض کرتا ہوں۔

خنزیر حلال ہونا چاہئے۔

قرآن کریم میں خنزیر کو حرام قرار دیا گیا ہے اور یہ حرمت کا حکم وحی کا حکم ہے۔ اس جگہ پر عقل کو استعمال کرنا کہ صاحب! یہ کیوں حرام ہے؟ یہ عقل کو غلط جگہ پر استعمال کرنا ہے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ بات دراصل یہ

ہے کہ قرآن کریم نے خنزیر اس لئے حرام کیا تھا کہ اس زمانے میں خنزیر بڑے گندے تھے اور غیر پسندیدہ ماحول میں پرورش پاتے تھے اور غلاظتیں کھاتے تھے۔ اب تو خنزیر کے لئے بڑے ہائی جینک فارم (Hygenic Farm) تیار کئے گئے ہیں اور بڑے صحت مندانہ طریقے سے پرورش ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ حکم اب ختم ہونا چاہئے یہ اس جگہ پر عقل کو استعمال کرنا ہے جہاں وہ کام دینے سے انکار کر رہی ہے۔

سود اور تجارت میں کیا فرق ہے؟

اسی طرح ربا اور سود کو جب قرآن کریم نے حرام قرار دے دیا۔ بس وہ حرام ہو گیا۔ عقل میں چاہے آئے یا نہ آئے۔ دیکھئے قرآن کریم میں مشرکین عرب کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

"اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" (سورہ البقرہ: ۲۷۵)

کہ بیع بھی ربا جیسی چیز ہے۔ تجارت اور بیع و شراء سے بھی انسان نفع کماتا ہے اور ربا سے بھی نفع کماتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اس کے جواب میں فرق بیان نہیں کیا کہ بیع اور ربا میں یہ فرق ہے بلکہ یہ جواب دیا کہ:۔

"وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"

بس! اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ اب آگے اس حکم میں تمہارے لئے چوں چرا کی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ جب اللہ نے بیع کو حلال کر دیا ہے تو حلال ہے اور جب اللہ نے ربا کو حرام کر دیا اس لئے حرام ہے۔ اب اس کے اندر چوں چرا کرنا در حقیقت عقل کو غلط جگہ پر استعمال کرنا ہے۔

ایک واقعہ

ایک واقعہ مشہور ہے کہ ہمارا ایک ہندوستانی گویا ایک مرتبہ حج کرنے چلا گیا۔ حج کے بعد وہ جب مدینہ شریف جا رہا تھا۔ راستے میں منزلیں ہوتی تھیں۔ ان پر رات گزارنی پڑتی تھی۔ ایک منزل پر جب رات گزارنے کے لئے ٹھہرا تو وہاں ایک عرب گویا آ گیا۔ وہ بدو قسم کا عرب گویا تھا۔ اس نے بہت بھدے انداز سے سارنگی بجا کر گانا شروع کیا۔

آواز بڑی بھدی تھی اور اس کو سارنگی اور طبلہ بھی صحیح بجانا نہیں آتا تھا جب ہندوستانی گویئے نے اس کی آواز سنی تو اس نے کہا کہ آج یہ بات میری سمجھ میں آگئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے بجانے کو کیوں حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ آپ نے تو ان بدوؤں کا گانا سنا تھا۔ اگر آپ میرا گانا سن لیتے تو حرام قرار نہ دیتے۔ تو اس قسم کی فکر اور تھنکنگ (Thinking) ڈیولپ (Develop) ہو رہی ہے۔ جس کو اجتہاد کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہ نصوص قطعیہ کے اندر اپنی خواہشات نفس کو استعمال کرنا ہے۔

آج کے مفکر کا اجتہاد

ہمارے ہاں ایک معروف مفکر ہیں۔ "مفکر" اس لئے کہہ رہا ہوں کہ وہ اپنی فیلڈ (Field) میں "مفکر" (Thinker) سمجھے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کی یہ جو آیت ہے۔

"اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا"

کہ چور مرد اور چور عورت کا ہاتھ کاٹ دو۔

ان مفکر صاحب نے اس آیت کی یہ تفسیر کی کہ چور سے مراد سرمایہ دار ہیں جنہوں نے بڑی بڑی صنعتیں قائم کر رکھی ہیں۔ اور "ہاتھ" سے مراد ان کی انڈسٹریاں (Industries) اور "کاٹنے" سے مراد ان کا نیشنلائزیشن (NATIONALIZATION) ہے، لہٰذا اس آیت کے معنی ہیں کہ سرمایہ داروں کی ساری انڈسٹریوں کو نیشنلائز کر لیا جائے اور اس طریقے سے چوری کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

اس قسم کے اجتہادات کے بارے میں اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ:

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

کہ ایسے کم نظر لوگوں کے اجتہاد سے پرانے لوگوں کی باتوں کی اقتدا کرنا وہ زیادہ محفوظ ہے۔

لیکن یہ ڈر ہے کہ یہ آوازہ تجدید
مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

بہر حال میں آج کی اس نشست سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اور شاید میں نے اپنے استحقاق اور اپنے وعدے سے بھی زیادہ وقت آپ حضرات کا لیا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ جب تک "اسلامائیزیشن آف لاز" کا فلسفہ ذہن میں نہ ہو، اس وقت تک محض "اسلامائیزیشن آف لاز" کے لفظ کی در و بست درست کر لینے سے بات نہیں بنتی۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس لئے اسلامائیزیشن کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا یقین ہو کہ ڈنکے کی چوٹ پر، سینہ تان کر، کسی معذرت خواہی کے بغیر کسی سے مرعوب ہوئے بغیر یہ بات کہہ سکیں کہ ہمارے نزدیک انسانیت کی فلاح کا اگر کوئی راستہ ہے تو وہ صرف "اسلامائیزیشن" (Islamisation) میں ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم آپ کو اس کی حقیقت کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرما دے آمین۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ماہِ رجب

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

واقعہ معراج کے بعد ۱۸ ر سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف فرما رہے، لیکن ان ۱۸ ر سال کے دوران یہ کہیں ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے بارے میں کوئی خاص حکم دیا ہو، یا اس کو منانے کا اہتمام فرمایا ہو، یا اس کے بارے میں فرمایا ہو کہ اس رات میں شب قدر کی طرح جاگنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے، اور نہ ہی آپ کے زمانے میں اس رات میں جاگنے کا اہتمام ثابت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ رجب

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی۔

امّا بعد!

ماہ رجب کے بارے میں لوگوں کے درمیان طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں۔ ان کی حقیقت سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

رجب کا چاند دیکھ کر آپ ﷺ کا عمل

اس پورے مہینے کے بارے میں جو بات صحیح سند کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ جب آپ رجب کا چاند دیکھتے تھے تو چاند دیکھ کر آپ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

اللّٰھم بارک لنا فی رجب وشعبان وبلغنا رمضان۔

"اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینے میں برکت عطا فرمایئے، اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے"۔

یعنی ہماری عمر اتنی کر دیجئے کہ ہم اپنی زندگی میں رمضان کو پالیں، گویا کہ پہلے سے رمضان المبارک کی آمد کا اشتیاق ہوتا تھا۔ یہ دعا آپ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے، اس لئے یہ دعا کرنا سنت ہے، اور اگر کسی نے شروع رجب میں یہ دعا نہ کی ہو تو وہ اب یہ دعا کرلے۔ اس کے علاوہ اور چیزیں جو عام لوگوں میں مشہور ہوگئی ہیں، ان کی شریعت میں کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

شب معراج کی فضیلت ثابت نہیں

مثلاً ۲۷ ر رجب کی شب کے بارے میں یہ مشہور ہوگیا ہے کہ یہ شب معراج ہے، اور اس شب کو بھی اسی طرح گزارنا چاہئے جس طرح شب قدر گزاری جاتی ہے، اور جو فضیلت شب قدر کی ہے، کم وبیش شب معراج کی بھی وہی فضیلت سمجھی جاتی ہے، بلکہ میں نے تو ایک جگہ یہ لکھا ہوا دیکھا کہ "شب معراج کی فضیلت شب قدر سے بھی زیادہ ہے" اور پھر اس رات میں لوگوں نے نمازوں کے بھی خاص خاص طریقے مشہور کر دیئے کہ اس رات میں اتنی رکعات پڑھی جائیں، اور ہر رکعت میں فلاں فلاں خاص سورتیں پڑھی جائیں۔ خدا جانے کیا کیا تفصیلات اس نماز کے بارے میں لوگوں میں مشہور ہوگئیں۔ خوب سمجھ لیجئے: یہ سب بے اصل باتیں ہیں، شریعت میں ان کی کوئی اصل اور کوئی بنیاد نہیں۔

شب معراج کی تعیین میں اختلاف

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ۲۷ ر رجب کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی رات ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے، کیونکہ اس باب میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول کے مہینے میں تشریف لے گئے تھے، بعض روایتوں میں رجب کا ذکر ہے، اور بعض روایتوں میں کوئی اور مہینہ بیان کیا گیا

ہے۔ اس لئے پورے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ کونسی رات صحیح معنیٰ میں معراج کی رات تھی۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے۔

اگر یہ فضیلت والی رات ہوتی تو اسکی تاریخ محفوظ ہوتی

اس سے آپ خود اندازہ کرلیں کہ اگر شب معراج بھی شب قدر کی طرح کوئی مخصوص رات ہوتی، اور اس کے بارے میں کوئی خاص احکام ہوتے جس طرح شب قدر کے بارے میں ہیں تو اس کی تاریخ اور مہینہ محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا۔ لیکن چونکہ شب معراج کی تاریخ محفوظ نہیں تو اب یقینی طور سے ۲۷ رجب کو شب معراج قرار دینا درست نہیں۔

وہی ایک رات فضیلت والی تھی

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷ رجب ہی کو معراج کے لئے تشریف لے گئے تھے، جس میں یہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا، اور جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام قرب عطاء فرمایا، اور اپنی بارگاہ میں حاضری کا شرف بخشا، اور امت کے لئے نمازوں کا تحفہ بھیجا، تو بے شک وہی ایک رات بڑی فضیلت والی تھی۔ کسی مسلمان کو اس کی فضیلت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ لیکن یہ فضیلت ہر سال آنے والی ۲۷ رجب کی شب کو حاصل نہیں۔

آپ کی زندگی میں ۱۸ ر مرتبہ شب معراج کی تاریخ آئی لیکن

پھر دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ معراج سن ۵ ر نبوی میں پیش آیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی بننے کے پانچویں سال یہ شب معراج پیش آئی، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد ۱۸ ر سال تک آپ دنیا میں تشریف فرما رہے، لیکن ان اٹھارہ سال کے دوران یہ کہیں ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے بارے میں کوئی خاص حکم دیا ہو، یا اس کو منانے کا اہتمام فرمایا ہو، یا اس کے بارے میں یہ فرمایا ہو کہ اس رات میں شب قدر کی طرح جاگنا زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔ نہ تو آپ کا ایسا کوئی ارشاد ثابت ہے، اور نہ آپ کے زمانے میں اس رات میں جاگنے کا اہتمام ثابت ہے، نہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاگے، اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کی تاکید فرمائی، اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے طور پر اس کا اہتمام فرمایا۔

اس کے برابر کوئی احمق نہیں

پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد سو سال تک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دنیا میں موجود رہے، اس پوری صدی میں کوئی ایک واقعہ ایسا ثابت نہیں ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ۲۷ ر رجب کو خاص اہتمام کر کے منایا ہو۔ لہٰذا جو چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی، اور جو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہیں کی، اس کو دین کا حصہ قرار دینا، یا اس کو سنت قرار دینا یا اس کے ساتھ سنت جیسا معاملہ کرنا بدعت ہے، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

زیادہ جانتا ہوں کہ کونسی رات زیادہ فضیلت والی ہے، یا کوئی شخص یہ کہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ مجھے عبادت کا ذوق ہے، اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ عمل نہیں کیا تو میں اس کو کروں گا تو اس کے برابر کوئی احمق نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ دین کو جاننے والا کون؟

لیکن جہاں تک دین کا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ دین کو سب سے زیادہ جاننے والے، دین کو خوب سمجھنے والے اور دین پر مکمل طور پر عمل کرنے والے تھے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان سے زیادہ دین کو جانتا ہوں، یا ان سے زیادہ دین کا ذوق رکھتا ہوں، یا ان سے زیادہ عبادت گزار ہوں تو حقیقت میں وہ شخص پاگل ہے، وہ دین کی فہم نہیں رکھتا۔

اس رات میں عبادت کا اہتمام بدعت ہے

لہٰذا اس رات میں عبادت کے لئے خاص اہتمام کرنا بدعت ہے۔ یوں تو ہر رات میں اللہ تعالیٰ جس عبادت کی توفیق دے دیں وہ بہتر ہی بہتر ہے، لہٰذا آج کی رات بھی جاگ لیں، کل کی رات بھی جاگ لیں، اسی طرح پھر ستائیسویں رات کو بھی جاگ لیں، لیکن اس رات میں اور دوسری راتوں میں کوئی فرق اور کوئی نمایاں امتیاز نہیں ہونا چاہئے۔

۲۷ رجب کا روزہ ثابت نہیں

اسی طرح ستائیس رجب کا روزہ ہے، بعض لوگ ستائیس رجب کے روزے کو فضیلت والا سمجھتے ہیں، جیسے کہ عاشورہ اور عرفہ کا روزہ فضیلت والا ہے، اسی طرح ستائیس رجب کے روزے کو بھی فضیلت والا روزہ خیال کیا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ایک یا دو ضعیف روایتیں تو اس کے بارے میں ہیں، لیکن صحیح سند سے کوئی روایت ثابت نہیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدعت کا سدباب کیا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بعض لوگ ۲۷، رجب کو روزہ رکھنے لگے، جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا کہ ۲۷، رجب کا خاص اہتمام کرکے لوگ روزہ رکھ رہے ہیں، تو چونکہ ان کے یہاں دین سے ذرا ادھر ادھر ہونا ممکن نہیں تھا، چنانچہ وہ فوراً گھر سے نکل پڑے، اور ایک ایک شخص کو جاکر زبردستی فرماتے کہ تم میرے سامنے کھانا کھاؤ، اور اس بات کا ثبوت دو کہ تمہارا روزہ نہیں ہے، باقاعدہ اہتمام کرکے لوگوں کو کھانا کھلایا تاکہ لوگوں کو یہ خیال نہ ہو کہ آج کا روزہ زیادہ فضیلت کا ہے۔ بلکہ جیسے اور دنوں میں نفلی روزے رکھے جاسکتے ہیں، اسی طرح اس دن کا بھی نفلی روزہ رکھا جاسکتا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ آپ نے یہ اہتمام اس لئے فرمایا تاکہ بدعت کا سدباب ہو، اور دین کے اندر اپنی طرف سے زیادتی نہ ہو۔

اس رات میں جاگ کر کونسی برائی کرلی؟

اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بعض لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس رات میں جاگ کر عبادت کرلی اور دن میں روزہ رکھ لیا تو کونسا گناہ کرلیا؟ کیا ہم نے چوری کرلی؟ یا شراب پی لی؟ یا ڈاکہ ڈالا؟ ہم نے رات میں عبادت ہی تو کی ہے، اور اگر دن میں روزہ رکھ لیا تو کیا خرابی کا کام کیا؟

دین "اتباع" کا نام ہے

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بتلادیا کہ خرابی یہ ہوئی کہ اس دن کے اندر روزہ رکھنا اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا، اور خود ساختہ اہتمام والتزام ہی اصل خرابی ہے۔ میں یہ کئی بار عرض کرچکا ہوں کہ سارے دین کا خلاصہ "اتباع" ہے کہ ہمارا حکم مانو، نہ روزہ رکھنے میں کچھ رکھا ہے، نہ افطار کرنے میں کچھ رکھا ہے اور نہ نماز پڑھنے میں کچھ رکھا ہے جب ہم کہیں کہ نماز پڑھو تو نماز پڑھنا عبادت ہے، اور جب ہم کہیں کہ نماز نہ پڑھو تو نماز نہ پڑھنا عبادت ہے، جب ہم کہیں کہ روزہ رکھو تو روزہ رکھنا عبادت ہے اور جب ہم کہیں کہ روزہ نہ رکھو تو روزہ نہ رکھنا عبادت ہے، اگر اس وقت روزہ رکھو گے تو یہ دین کے خلاف ہوگا۔ تو دین کا سارا کھیل "اتباع" میں ہے، اگر اللہ تعالیٰ یہ حقیقت دل میں اتاردے تو ساری بدعتوں کی خود ساختہ التزامات کی جڑ کٹ جائے۔

وہ دین میں زیادتی کررہا ہے

اب اگر کوئی شخص اس روزے کا زیادہ اہتمام کرے تو وہ شخص دین میں اپنی طرف سے زیادتی کررہا ہے، اور دین کو اپنی طرف سے گھڑ رہا ہے۔ لہٰذا اس نقطۂ نظر سے روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ہاں! البتہ اگر کوئی شخص عام دنوں کی طرح اس میں

بھی روزہ رکھنا چاہتا ہے تو رکھ لے، اس کی ممانعت نہیں، لیکن اس کی زیادہ فضیلت سمجھ کر، اس کو سنت سمجھ کر، اس کو زیادہ مستحب اور زیادہ اجر وثواب کا موجب سمجھ کر اس دن روزہ رکھنا، یا اس رات میں جاگنا درست نہیں، بلکہ بدعت ہے۔

کونڈوں کی حقیقت

شب معراج کی تو پھر بھی کچھ اصل ہے کہ اس رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنے اعلیٰ مقام پر تشریف لے گئے تھے، لیکن اس سے بھی زیادہ آج کل معاشرے میں فرض وواجب کے درجے میں جو چیز پھیل گئی ہے وہ کونڈے ہیں، اگر آج کسی نے کونڈے نہیں کئے تو وہ مسلمان ہی نہیں، نماز پڑھے یا نہ پڑھے، روزے رکھے یا نہ رکھے، گناہوں سے بچے یا نہ بچے، لیکن کونڈے ضرور کرے۔ اور اگر کوئی شخص نہ کرے یا کرنے والوں کو منع کرے تو اس پر لعنت اور ملامت کی جاتی ہے۔ خدا جانے یہ کونڈے کہاں سے نکل آئے؟ نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، نہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے نہ تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے اور نہ بزرگان دین سے، کہیں سے اس کی کوئی اصل ثابت نہیں، اور اس کو اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ گھر میں دین کا کوئی دوسرا کام ہو یا نہ ہو، لیکن کونڈے ضرور ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ذرا مزہ اور لذت آتی ہے، اور ہماری قوم لذت اور مزہ کی خوگر ہے، کوئی میلہ ٹھیلہ ہونا چاہئے، اور کوئی حظ نفس کا سامان ہونا چاہے۔ اور ہوتا یہ ہے کہ جناب! پوریاں پک رہی ہیں، حلوہ پک رہا ہے، اور ادھر سے ادھر جارہی ہیں، اور ادھر سے ادھر آرہی ہیں اور ایک میلہ لگا ہوا ہے، تو چونکہ یہ بڑے مزے کا کام ہے، اس واسطے شیطان نے اس میں مشغول کردیا کہ نماز پڑھو یا نہ پڑھو، وہ کوئی ضروری نہیں، مگر یہ کام ضرور ہونا چاہئے۔

یہ امت خرافات میں کھوگئی

بھائی! ان چیزوں نے ہماری امت کو خرافات میں مبتلا کر دیا ہے ۔

حقیقت روایات میں کھو گئی

یہ امت خرافات میں کھو گئی

اس قسم کی چیزوں کو لازمی سمجھ لیا گیا اور حقیقی چیزیں پس پشت ڈال دی گئیں۔ اس کے بارے میں رفتہ رفتہ اپنے بھائیوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ بہت سے لوگ صرف ناواقفیت کی وجہ سے کرتے ہیں، ان کے دلوں میں کوئی عناد نہیں ہوتا، لیکن دین سے واقف نہیں، ان بیچاروں کو اس کے بارے میں پتہ نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی ہوتی ہے، اور گوشت ادھر سے ادھر جاتا ہے، یہ بھی قربانی کی طرح کوئی ضروری چیز ہوگی، اور قرآن وحدیث میں اس کا بھی کوئی ثبوت ہوگا، اس لئے ایسے لوگوں کو محبت، پیار اور شفقت سے سمجھایا جائے، اور ایسی تقریبات میں خود شریک ہونے سے پرہیز کیا جائے۔

خلاصہ

بہرحال! خلاصہ یہ ہے کہ رجب کا مہینہ رمضان کا مقدمہ ہے، اس لئے رمضان کے لئے پہلے سے اپنے آپ کو تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو مہینے پہلے سے دعا بھی فرمارہے ہیں، اور لوگوں کو توجہ دلا رہے ہیں کہ اب اس مبارک مہینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرلو، اور اپنا نظام الاوقات ایسا بنانے کی فکر کرو کہ جب یہ مبارک مہینہ آئے تو اس کا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ

کی عبادت میں صرف ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی فہم عطاء فرمائے، اور صحیح طور پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نیک کام میں دیر نہ کیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱ ۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نیک کام میں دیر نہ کیجئے

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ ـــــ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

(سورۃ آل عمران: ۱۳۳)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذالک من الشٰھدین والشٰکرین والحمد للہ رب العالمین۔

مبادرت الی الخیرات

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے جو باب قائم کیا ہے۔ وہ ہے :

﴿باب المبادرۃ الی الخیرات﴾

اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب انسان اپنی حقیقت پر غور کرے گا' اور اللہ جلّ جلالہٗ کی عظمتِ شان' اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر غور کرے گا' اور اس کی شان ربوبیت پر غور کرے گا' تو اس غور و فکر کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی طرف دل مائل ہوگا اور خود بخود دل میں داعیہ پیدا ہوگا کہ جس مالک نے یہ ساری کائنات بنائی ہے اور جس مالک نے یہ نعمتیں مجھ پر نازل فرمائی ہیں اور جس مالک نے مجھے رحمتوں کی بارش میں رکھا ہے' اس مالک کا بھی مجھ پر کوئی حق ہوگا؟ جب یہ داعیہ اور میلان پیدا ہو' اس وقت کیا کرنا چاہئے؟

اس سوال کے جواب کے لئے علامہ نوویؒ نے یہ باب قائم فرمایا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا داعیہ پیدا ہو' اور نیک کام کے کرنے کا تحرک سامنے آئے' تو اس وقت ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ جلد از جلد اس نیک کام کو کرلے۔ اس میں دیر نہ لگائے۔ یہی معنی ہیں "مبادرۃ" کے' یعنی کسی کام کو جلدی سے کرلینا' ٹال مٹول نہ کرنا' اور آئندہ کل پر نہ ٹالنا۔

نیکی کے کاموں میں ریس اور دوڑ لگاؤ

علامہ نوویؒ سب سے پہلے یہ آیتِ کریمہ لائے ہیں کہ :

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۃ آل عمران: ۱۳۳)

تمام انسانیت کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جلدی سے دوڑو، جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے اور وہ متقی لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

"مسارعت" کے معنی ہیں، جلد سے جلد کوئی کام کرنا، دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ ایک دوسرے آیت میں فرمایا کہ:

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (سورۃ بقرۃ: ۱۴۸)

یعنی بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ریس اور دوڑ لگاؤ۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب کسی نیک کام کا ارادہ اور داعیہ دل میں پیدا ہو تو اس کو ٹلاؤ نہیں۔

شیطانی داؤ

اس لئے کہ شیطان کے داؤ اور اس کے حربے ہر ایک کے ساتھ الگ الگ ہوتے ہیں، کافر کے لئے اور ہیں، مؤمن کے لئے اور ہیں۔ مؤمن کے دل میں شیطان یہ بات نہیں ڈالے گا کہ یہ نیکی کا کام مت کیا کرو، یہ برے کام ہیں۔ یہ بات براہِ راست اس کے دل میں نہیں ڈالے گا، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ صاحبِ ایمان ہونے کی وجہ سے نیکی کے کام کو برا نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن مؤمن کے ساتھ اس کا یہ حربہ ہوتا ہے کہ اس سے یہ کہتا ہے کہ یہ نماز پڑھنا، یہ فلاں نیک کام کرنا تو اچھا ہے، اس کو کرنا چاہئے۔ لیکن انشاء اللہ کل سے

شروع کریں گے۔ اب جب کل آئے گی تو پھر یہ کہے گا اچھا بھائی! کل سے شروع کروں گا' تو وہ کل کبھی زندگی بھر نہیں آئے گی۔ یا کسی اللہ والے کی بات دل میں اثر کر گئی کہ یہ بات تو صحیح ہے' عمل کرنا چاہئے' اپنی زندگی میں تبدیلی لانی چاہئے' گناہوں کو چھوڑنا چاہئے' نیکیوں کو اختیار کرنا چاہئے۔ لیکن انشاء اللہ اس پر جلد از جلد عمل کریں گے' جب اس کو ٹلا دیا تو پھر کبھی اس پر عمل کی نوبت نہیں آئے گی۔

عمرِ عزیز سے فائدہ اٹھالو

اسی طرح زندگی کے اوقات گزرتے جارہے ہیں۔ عمرِ عزیز گزرتی جارہی ہے۔ کچھ پتہ نہیں کہ کتنی عمر باقی ہے؟ قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے کہ کل پر مت ٹالو' جو داعیہ اس وقت پیدا ہوا ہے' اس پر اسی وقت عمل کرو' کیا معلوم کہ کل تک یہ داعیہ رہے یا نہ رہے' اوّل تو یہ بھی نہیں پتہ کہ تم خود زندہ رہو یا نہ رہو اور اگر تم خود زندہ رہو تو یہ پتہ نہیں کہ یہ داعیہ باقی رہے گا یا نہیں؟ اور اگر داعیہ باقی رہا تو کیا معلوم کہ اس وقت حالات موافق ہوں یا نہ ہوں۔ بس! اس وقت جو داعیہ پیدا ہوا ہے اس پر عمل کرکے فائدہ حاصل کرلو۔

نیکی کا داعیہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے

یہ داعیہ اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے مہمان ہے' اس مہمان کی خاطر مدارات کرلو' اس کی خاطرِ مدارات یہ ہے کہ اس پر عمل کرلو' اگر نفل نماز پڑھنے کا داعیہ پیدا ہوا' اور یہ سوچا کہ یہ فرض و واجب تو ہے نہیں۔ اگر نہیں پڑھیں گے تو کوئی گناہ تو ہوگا نہیں' چلو چھوڑو۔ یہ تم نے اس مہمان کی ناقدری کردی جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری اصلاح کی خاطر بھیجا تھا۔ اگر تم نے اسی وقت فوراً عمل نہ کیا تو پیچھے رہ جاؤ گے' پھر معلوم نہیں کہ دوبارہ مہمان آئے' یا نہ

آئے، بلکہ وہ آنا بند کر دے گا، کیونکہ وہ مہمان یہ سوچے گا کہ یہ شخص میری بات تو مانتا نہیں، اور میری ناقدری کرتا ہے، میری خاطر مدارات نہیں کرتا، میں اب اس کے پاس نہیں جاتا اس طرح دل میں نیکی کا داعیہ پیدا ہونا ہی بند ہو جائے گا۔ بہرحال ویسے تو ہر کام میں جلدی اور عجلت کرنا بُرا ہے، لیکن جب دل میں کسی نیک کام کے کرنے کا داعیہ پیدا ہو تو اس پر جلدی عمل کر لینا ہی اچھا ہے۔

فرصت کے انتظار میں مت رہو

اگر اپنی اصلاح کی فکر کا دل میں خیال آیا کہ زندگی ویسے ہی گزری جارہی ہے، نفس کی اصلاح ہونی چاہئے، اور اپنے اخلاق اور اعمال کی اصلاح ہونی چاہئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ سوچا کہ جب فلاں کام سے فارغ ہو جائیں گے، پھر اصلاح شروع کریں گے۔ یہ فرصت کے انتظار میں عمرِ عزیز کے جو لمحات گزر رہے ہیں، وہ فرصت کبھی آنے والی نہیں ہے۔

کام کرنے کا بہترین گُر

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ :

> "جو کام فرصت کے انتظار میں ٹال دیا، وہ ٹل گیا، وہ پھر نہیں ہوگا۔ اس واسطے کہ تم نے اس کو ٹال دیا۔ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو گھسا دو، یعنی وہ دو کام جو تم پہلے سے کر رہے ہو، اب تیسرا کام کرنے کا خیال آیا، تو ان دو کاموں کے درمیان تیسرے

کام کو زبردستی گھسا دو' وہ تیسرا کام بھی ہو جائے گا' اور اگر یہ سوچا کہ ان دو کاموں سے فارغ ہو کر پھر تیسرا کام کریں گے تو پھر وہ کام نہیں ہوگا۔ یہ منصوبے اور پلان بنانا کہ جب یہ کام ہو جائے گا تو پھر کام کریں گے' یہ سب ٹالنے والی باتیں ہیں' شیطان عموماً اسی طرح دھوکہ میں رکھتا ہے۔

نیک کاموں میں ریس لگانا بُرا نہیں

اس لئے "مبادرت الی الخیرات" یعنی نیک کاموں میں جلدی کرنا اور آگے بڑھنا قرآن و سنت کا تقاضہ ہے۔ اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے لئے یہ باب قائم فرمایا ہے "باب المبادرت الی الخیرات" یعنی بھلائیوں کی طرف جلدی سے سبقت کرنا۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو لفظ استعمال کئے ہیں : ایک "مبادرت" یعنی جلدی کرنا' دوسرا "مسابقت" یعنی مقابلہ کرنا' ریس لگانا' ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ اور یہ مقابلہ کرنا اور ریس لگانا نیکی کے معاملے میں محبوب ہے' لیکن دوسری چیزوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا برا ہے' جیسے مال کے حصول میں' عزت کے حصول میں' شہرت کے معاملے میں' دنیا کے حصول میں' جاہ طلبی کے معاملے میں' ان سب میں یہ بات بُری ہے کہ انسان دوسرے سے آگے بڑھنے کی حرص میں لگ جائے۔ لیکن نیکیوں کے معاملے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ ایک محمود اور قابلِ تعریف جذبہ ہے۔ قرآن کریم خود کہہ رہا ہے کہ

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ ایک شخص کو تم دیکھ رہے ہو کہ ماشاء اللہ عبادت میں لگا ہوا ہے' طاعات میں لگا ہوا ہے' گناہوں سے بچ رہا ہے' اب کوشش کرو کہ میں اس سے بھی زیادہ آگے بڑھ جاؤں' اس میں ریس لگانا بُرا نہیں۔

دنیاوی اسباب میں ریس لگانا جائز نہیں

یہاں معاملہ الٹا ہوگیا ہے، اس وقت ہماری پوری زندگی ریس لگانے میں گزر رہی ہے۔ لیکن ریس اس میں لگ رہی ہے کہ پیسہ زیادہ سے زیادہ کہاں سے آجائے، دوسرے نے اتنا کمالیا، میں اس سے زیادہ کمالوں۔ دوسرے نے ایسا بنگلہ بنالیا، میں اس سے اعلیٰ درجے کا بنالوں، دوسرے نے ایسی کار خریدی، میں اس سے اعلیٰ درجے کی خریدلوں، دوسرے نے ایسا ساز و سامان جمع کرلیا، میں اس سے اعلیٰ درجے کا جمع کرلوں۔ پوری قوم اسی ریس کے اندر چلا ہے، اور اس ریس میں حلال و حرام کی فکر مٹ گئی ہے، اس لئے کہ جب دماغ پر یہ جذبہ سوار ہوگیا کہ دنیاوی ساز و سامان میں دوسرے سے آگے بڑھنا ہے، تو حلال مال کے ذریعہ آگے نکلنا تو بڑا مشکل ہے، تو پھر حرام کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح اب حلال و حرام ایک ہورہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس چیز میں ریس لگانا اور مقابلہ کرنا شرعاً برا تھا وہاں سب مقابلے پر لگے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے ہیں، اور جس چیز میں مقابلہ کرنا، ریس لگانا، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر کرنا مطلوب تھا، اس میں پیچھے رہ گئے ہیں۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عمرؓ کا حضرت ابوبکرؓ سے مقابلہ

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھئے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر انہوں نے کیا کیا، غزوۂ تبوک بڑا کٹھن غزوہ تھا۔ ایسا صبر آزما غزوہ اور ایسی صبر آزما مہم شاید کوئی اور پیش نہیں آئی جیسی غزوۂ تبوک کے موقع پر پیش آئی، سخت گرمی کا موسم، وہ موسم جس میں آسمان سے شعلے برستے ہیں، زمین آگ اگلتی ہے اور تقریباً بارہ سو کلومیٹر کا صحرائی سفر، اور کھجوریں پکنے کا زمانہ، جس پر سارے سال کی معیشت کا دارومدار ہوتا ہے، سواریاں میسر

نہیں، پیسے موجود نہیں، اور اس وقت میں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے نفیرِ عام ہے کہ وہ اس غزوہ میں چلے، اور اس میں شریک ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی میں کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ یہ غزوہ کا موقع ہے، اور سواریوں کی ضرورت ہے، اونٹنیاں چاہئیں، پیسوں کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ بڑھ چڑھ کر اس میں چندہ دیں، اور جو شخص اس میں چندہ دے گا، میں اس کے لئے جنّت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اب صحابۂ کرام کہاں پیچھے رہنے والے تھے، جبکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ جملہ سن لیں کہ ان کے لئے جنّت کی ضمانت ہے، اب ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق چندہ دے رہا ہے، کوئی کچھ لا رہا ہے، کوئی کچھ لا رہا ہے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر گیا، اور میں نے اپنے گھر کا جتنا کچھ سازوسامان اور روپیہ پیسہ تھا وہ آدھا آدھا تقسیم کر دیا، اور پھر آدھا حصّہ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلا گیا، اور دل میں خیال آنے لگا کہ آج وہ دن ہے کہ شاید میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آگے نکل جاؤں۔ یہ جو جذبہ پیدا ہو رہا ہے کہ میں ان سے آگے بڑھ جاؤں، یہ ہے "مسابقت الی الخیرات" مگر کبھی ان کے دل میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوا کہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیسے میں آگے بڑھ جاؤں، کبھی یہ جذبہ پیدا نہیں ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بہت پیسے ہیں، ان سے زیادہ پیسے مجھے حاصل ہو جائیں، لیکن یہ جذبہ پیدا ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے نیکی کا جو مقام بخشا ہے، ان سے آگے بڑھ جاؤں ______ تھوڑی دیر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لائے، اور جو کچھ تھا حاضر کر دیا، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا : اے عمر! گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آدھا مال گھر والوں کے

لئے چھوڑ دیا' اور آدھا غزوہ کے لئے اور جہاد کے لئے لے آیا ہوں۔ آپ نے ان کو دعائیں دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت دے۔ اس کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کہ تم نے اپنے گھر میں کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! گھر میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں' جو کچھ گھر میں تھا سارا کا سارا سمیٹ کر یہاں لے آیا ہوں۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن مجھے پتہ چلا کہ میں چاہے ساری عمر کوشش کرتا رہوں لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

(ابوداؤد' کتاب الزکوٰۃ' باب فی الرخصۃ فی الرجل یخرج من مالہ' حدیث نمبر ۱۶۷۸)

ایک مثالی معاملہ

ایک مرتبہ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ ایک معاملہ کریں تو میں بڑا احسان مند ہوں گا۔ انہوں نے پوچھا: کیا معاملہ؟ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میری ساری عمر کی جتنی نیکیاں ہیں' جتنے اعمال صالحہ ہیں' وہ سب مجھ سے لے لیں' اور وہ ایک رات جو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غارِ ثور میں گزاری' اس کا ثواب مجھے دے دیں (یعنی وہ ایک رات جو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غارِ ثور میں گزاری' وہ میرے سارے اعمال پر بھاری ہے۔

غرض یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی کو دیکھیں تو کہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ یہ سوچیں کہ فلاں نے اتنے پیسے جمع کرلئے' میں بھی جمع کرلوں۔ فلاں کا مکان بڑا شاندار ہے' میرا بھی ویسا ہو جاتا۔ فلاں کی سواری بہت اچھی ہے' ویسی مجھے بھی مل جاتی۔ لیکن اعمالِ صالحہ میں

مسابقت نظر آتی ہے۔ اور آج ہمارا معاملہ بالکل الٹا چل رہا ہے' اعمالِ صالحہ میں آگے بڑھنے کی کوئی فکر نہیں' اور مال کے اندر صبح سے لے کر شام تک دوڑ ہو رہی ہے' اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں ہیں۔

ہمارے لئے نسخۂ اکسیر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب ارشاد فرمایا' جو ہمارے لئے نسخۂ اکسیر ہے' فرمایا کہ :

"دنیا کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو' اور اپنے سے کمتر حیثیت والوں کے ساتھ رہو' اُن کی صحبت اختیار کرو' اور ان کے حالات کو دیکھو۔ اور دین کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے اونچے آدمی کو دیکھو' اور ان کی صحبت اختیار کرو"۔

کیوں؟ اس لئے کہ جب دنیا کے معاملے میں اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھو گے تو جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں' ان نعمتوں کی قدر ہوگی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دے رکھی ہے' اور اس سے قناعت پیدا ہوگی' شکر پیدا ہوگا اور دنیا طلبی کی دوڑ کا جذبہ ختم ہوگا۔ اور دین کے معاملے میں جب اوپر والوں کو دیکھو گے کہ یہ شخص تو دین کے معاملے میں مجھ سے آگے بڑھ گیا تو اس وقت اپنی کمی کا احساس پیدا ہوگا' اور آگے بڑھنے کی فکر پیدا ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کیسے راحت حاصل کی؟

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو محدث بھی ہیں' فقیہ بھی

ہیں، صوفی بھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ مالداروں کے ساتھ گزارا (خود بھی مالدار تھے) صبح سے شام تک مالداروں کے ساتھ رہتا تھا، لیکن جب تک مالداروں کی صحبت میں رہا، مجھ سے زیادہ غمگین انسان کوئی نہیں تھا، کیونکہ جہاں جاتا، یہ دیکھتا کہ اس کا گھر میرے گھر سے اچھا ہے، اس کی سواری میری سواری سے اچھی ہے، اس کا کپڑا میرے کپڑے سے اچھا ہے۔ ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر میرے دل میں کڑھن پیدا ہوتی تھی کہ مجھے تو ملا نہیں اور اس کو مل گیا۔ لیکن بعد میں دنیاوی حیثیت سے جو کم مال والے تھے، اُن کی صحبت اختیار کی، اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا، تو فرماتے ہیں کہ "فاسترحتُ" یعنی میں راحت میں آگیا، اس واسطے کہ جس کو بھی دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ میں تو بہت خوشحال ہوں، میرا کھانا بھی اس کے کھانے سے اچھا ہے، میرا کپڑا بھی اس کے کپڑے سے اچھا ہے، میرا گھر بھی اس کے گھر سے اچھا ہے، میری سواری بھی اس کی سواری سے اچھی ہے، اس واسطے میں اب الحمد اللہ راحت میں آگیا ہوں۔

ورنہ کبھی قناعت حاصل نہیں ہوگی

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے کی برکت ہے، کوئی شخص تجربہ کر کے دیکھ لے۔ دنیا کے معاملے میں اپنے سے اونچے کو دیکھتے رہو گے تو کبھی پیٹ نہیں بھرے گا، کبھی قناعت حاصل نہیں ہوگی، کبھی آنکھوں کو سیری نصیب نہیں ہوگی، ہر وقت یہی فکر ذہن پر سوار رہے گی جس کے بارے

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

لو کان لابن آدم وادیا من ذھب أحب ان یکون لہ

وادیان۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب مایتقی من فتنۃ المال، حدیث نمبر ۶۴۳۹)

"اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے کی بھر کر مل جائے تو وہ یہ چاہے گا کہ دو وادیاں مل جائیں"۔

اور جب دو مل جائیں گی تو چاہے گا کہ تین مل جائیں۔ اور اسی طرح پوری زندگی اسی دوڑ میں صرف ہو جائے گی، اور کبھی راحت کی منزل پر، قناعت اور سکون کی منزل پر پہنچ نہیں پائے گا۔

مال و دولت کے ذریعہ راحت نہیں خریدی جاسکتی

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کیا اچھی بات فرمایا کرتے تھے، لوحِ دل پر نقش کرنے کے قابل ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ :

"راحت اور آرام اور چیز ہے اور اسبابِ راحت اور چیز ہیں۔ اسبابِ راحت سے راحت حاصل ہونا کوئی ضروری نہیں، "راحت" اللہ جل جلالہٗ کا عطیہ ہے۔ اور ہم نے آج اسبابِ راحت کا نام راحت رکھ دیا ہے۔ بہت سارا روپیہ رکھا ہو تو کیا بھوک کے وقت وہ اس کو کھالے گا؟ کیا اگر کپڑے کی ضرورت ہوگی تو اسی کو پہن لے گا؟ کیا گرمی لگنے کے وقت وہ پیسہ اس کو ٹھنڈک پہنچا سکے گا؟ بذاتِ خود

نہ تو یہ پیسہ راحت ہے اور نہ ہی اس کے ذریعہ تم راحت خرید سکتے ہو۔ اور اگر اس کے ذریعے تم نے اسبابِ راحت خرید بھی لئے، مثلاً آرام کے خاطر تم نے اس کے ذریعے کھانے پینے کی چیزیں خرید لیں، اچھے کپڑے خرید لئے، گھر کی سجاوٹ کا سامان خرید لیا، لیکن کیا راحت حاصل ہو گئی؟ یاد رکھو! محض ان اسباب کو جمع کر لینے سے راحت کا مِل جانا کوئی ضروری نہیں، اس لئے کہ ایک شخص کے پاس راحت کے تمام اسباب موجود ہیں، لیکن صاحب بہادر کو گولی کھائے بغیر نیند نہیں آتی، بستر آرام دہ، ایر کنڈیشنڈ کمرہ اور نوکر چاکر سبھی کچھ موجود ہیں، لیکن نیند نہیں آرہی ہے۔ اب بتاؤ! اسبابِ راحت سارے موجود، لیکن نیند ملی؟ راحت ملی؟ اور ایک وہ شخص ہے جس کے گھر پر نہ تو پکی چھت ہے، بلکہ ٹین کی چادر ہے، نہ چارپائی ہے، بلکہ فرش پر سو رہا ہے، لیکن بس ایک ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھا، اور سیدھا نیند کی آغوش میں چلا گیا، اور آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر صبح کو بیدار ہوا۔ بتاؤ! راحت اُس کو ملی یا اِس کو ملی؟ اُس کے پاس اسباب راحت موجود تھے، لیکن راحت نہیں ملی، اور اِس مزدور کے پاس اسباب راحت موجود نہیں تھے۔ لیکن راحت مِل گئی۔ یاد رکھو! اگر دنیا کے اسباب جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے، اور دوسروں سے آگے بڑھنے کی فکر میں لگ گئے، تو خوب سمجھ لو کہ اسبابِ راحت تو جمع ہو جائیں گے، لیکن راحت پھر بھی حاصل نہ ہوگی"۔

وہ دولت کس کام کی جو اولاد کو باپ کی شکل نہ دکھا سکے

حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ کے زمانے میں ایک صاحب تھے، بہت بڑے مِل اونر، اور ان کا کاروبار یہاں صرف پاکستان میں ہی نہیں تھا، بلکہ مختلف ممالک میں ان کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ ایک دن ویسے ہی والد صاحب نے پوچھا کہ آپ کی اولاد کتنی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا سنگاپور میں ہے، ایک لڑکا فلاں ملک میں ہے، سب دوسرے ملکوں میں ہیں۔ دوبارہ پوچھا کہ آپ کی لڑکوں سے ملاقات تو ہوتی رہتی ہوگی، وہ آتے جاتے رہتے ہوں گے؟ انہوں نے بتایا کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئے ۱۵ سال ہو گئے ہیں، ۱۵ سال سے باپ نے بیٹے کی شکل نہیں دیکھی، اور بیٹے نے باپ کی شکل نہیں دیکھی۔ تو اب بتاؤ ایسا روپیہ اور ایسی دولت کس کام کی جو اولاد کو باپ کی شکل بھی نہ دکھا سکے، اور باپ کو اولاد کی شکل نہ دکھا سکے۔ یہ ساری دوڑ دھوپ اسباب راحت کے لئے ہو رہی ہے، لیکن راحت مفقود ہے۔ اس لئے یاد رکھو کہ راحت پیسے کے ذریعہ نہیں خریدی جا سکتی۔

پیسے سے ہر چیز نہیں خریدی جا سکتی

ابھی چند روز پہلے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ وہ رمضان میں عمرے کو تشریف لے گئے، اور ایک اور صاحب دولت مند بھی عمرے کو جا رہے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ عمرے کو جا رہے ہو، پہلے سے ذرا انتظام کر لینا، تاکہ رہنے کے لئے اور کھانے پینے کے لئے صحیح انتظام ہو جائے۔ وہ اپنی دولت کے گھمنڈ میں تھے، کہنے لگے: ارے میاں! چھوڑو انتظام وغیرہ اللہ کا شکر ہے، پیسے بہت موجود ہیں، پیسے سے دنیا کی ہر چیز مل جاتی ہے، آرام وہ رہائش بھی مل جاتی ہے، کھانا بھی مل جاتا ہے، کوئی فکر کی بات نہیں، ہمارے پاس پیسہ خوب ہے، دس

ریال کی جگہ بیس ریال خرچ کردیں گے۔ وہی صاحب بتا رہے تھے کہ میں نے دو دن کے بعد دیکھا تو حرم شریف کے دروازے پر سر جھکائے بیٹھے ہیں' میں نے پوچھا بھائی کیا ہوا؟ کہنے لگے سحری میں اٹھے تھے' لیکن ہوٹل میں کھانا نہیں ملا' کھانا ختم ہوگیا تھا۔ دماغ میں گھمنڈ تھا کہ پیسے سے ہر چیز خریدی جاسکتی ہے' اللہ تعالیٰ نے انہیں دکھا دیا کہ دیکھو! پیسہ تمہاری جیب میں رکھا رہ گیا' اور روزہ بغیر سحری کے رکھا۔

سکون حاصل کرنے کا راستہ

یہ پیسہ' یہ ساز وسامان' یہ مال و دولت جو کچھ تم جمع کر رہے ہو' یہ بذاتِ خود راحت دینے والی چیز نہیں ہے' راحت پیسے سے خریدی نہیں جاسکتی' وہ محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے' جب تک قناعت پیدا نہیں ہوگی' اور جب تک یہ خیال پیدا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حلال طریقے سے جتنا مجھے دے رہے ہیں' اسی سے میرا کام چل رہا ہے' اس وقت تک تمہیں سکون حاصل نہیں ہوگا۔ ورنہ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس دولت بے حد وحساب ہے لیکن ایک لمحے کا سکون نہیں' ایک لمحے کا قرار نہیں' رات کو نیند نہیں آتی' اور بھوک اڑی ہوئی ہے۔ یہ سب اس دنیا کی دوڑ کا نتیجہ ہے۔ اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ : دنیا کے معاملے میں اپنے سے اونچے آدمی کو نہ دیکھو کہ وہ کہاں جارہا ہے' بلکہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو کہ ان کے مقابلے میں تمہیں اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ دے رکھا ہے اس کے ذریعے تمہیں قرار آئے گا۔ تمہیں راحت ملے گی اور سکون حاصل ہوگا۔ لیکن دین کے معاملے میں اپنے سے اونچے کو دیکھو' کیوں؟ اس لئے کہ اس کے ذریعے آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوگا' اور آگے بڑھنے کی بے تابی ہوگی۔ لیکن یہ بے تابی بڑی لذیذ بے تابی ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں دنیا جمع کرنے کی بے تابی اور بے چینی تکلیف دہ ہے' وہ

پریشان کن ہے، وہ راتوں کی نیند اُڑا دیتی ہے، وہ بھوک اُڑا دیتی ہے۔ لیکن دین کے لئے جو بے تابی ہوتی ہے وہ بڑی مزیدار ہے، بڑی لذیذ ہے۔ اگر انسان ساری عمر اسی بے تابی میں رہے، تب بھی وہ لذت میں رہے گا، راحت اور سکون میں رہے گا۔ لیکن ہماری ساری زندگی کا پہیہ الٹا چل رہا ہے۔ اللہ تعالی ہماری فکر کو درست فرمائے، ہمارے دلوں کو درست فرمائے، اور جو راستہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے، اس پر اللہ تعالی ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اسی سلسلے میں آگے یہ حدیثیں آرہی ہیں۔

فتنے کا زمانہ آنے والا ہے

یہ پہلی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:
بادروا بالاعمال الصالحة فتكون فتن كقطع الليل المظلم
يصبح الرجل مؤمنا ويمسی کافرا ويمسی مؤمنا ويصبح کافرا
يبيع دينه بعرض من الدنيا۔

(صحيح مسلم، كتاب الايمان باب الحث على المبادرة بالاعمال قبل تظاهر الفتن، حديث نمبر ۱۸۶)

فرمایا کہ نیک عمل جلدی جلدی کرلو، جتنا وقت مل رہا ہے، اس کو غنیمت جانو، کیوں؟ اس لئے کہ بڑے فتنے آنے والے ہیں، ایسے فتنے جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے ______ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اندھیری رات شروع ہوتی ہے، اور اس کا ایک حصہ گزرجاتا ہے تو اس کے بعد آنے والا دوسرا حصہ بھی رات ہی کا حصہ ہوتا ہے، اور اس میں تاریکی اور بڑھتی چلی جاتی

ہے' اور پھر تیسرے حصے میں اندھیرا اور بڑھ جاتا ہے۔ اب اگر آدمی اس انتظار میں رہے کہ ابھی مغرب کا وقت ہے' تھوڑی سی تاریکی ہے' کچھ وقت گزرنے کے بعد روشنی ہو جائے گی' اس وقت کام کروں گا تو وہ شخص احمق ہے۔ اس واسطے کہ اب جو وقت گزرے گا تو اور زیادہ تاریکی کا وقت آئے گا۔ لہٰذا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اگر تمہارے دل میں یہ خیال ہے کہ اور تھوڑا سا وقت گزر جائے پھر کام شروع کروں گا تو یاد رکھو! کہ اور وقت جو آنے والا ہے' وہ زیادہ تاریکی والا ہے' آئندہ جو فتنے آنے والے ہیں وہ بھی اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہیں کہ ہر فتنے کے بعد بڑا فتنہ آنے والا ہے۔ پھر آگے فرمایا کہ صبح کو انسان مؤمن ہو گا اور شام کو کافر ہو جائے گا یعنی ایسے فتنے آنے والے ہیں جو انسان کے ایمان کو سلب کر لیں گے' صبح کو مؤمن بیدار ہوا تھا' لیکن فتنے کا شکار ہو کر شام کے وقت کافر ہو گیا' اور شام کو مؤمن تھا' صبح کو کافر ہو گیا' اور یہ کافر اس طرح ہو جائے گا کہ اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے سازو سامان کے بدلے میں بیچ ڈالے گا۔ صبح کو مؤمن اٹھا تھا اور جب کاروبار زندگی میں پہنچا تو فکر لگی ہوئی تھی دنیا جمع کرنے کی' مال و دولت جمع کرنے کی' اور اس دوران مال حاصل کرنے کا ایک ایسا موقع سامنے آیا جس کے ساتھ شرط یہ تھی کہ دین چھوڑو تو تمہیں دنیا مل جائے گی۔ اب اس وقت دل میں کش مکش پیدا ہوئی کہ اپنے دین کو چھوڑ کر یہ مال حاصل کر لوں' یا اس مال پر لات مار کر دین کو اختیار کر لوں۔ لیکن چونکہ وہ شخص پہلے سے ٹلانے کا عادی بنا ہوا تھا' اس لئے اس نے سوچا کہ دین کے بارے میں باز پرس معلوم نہیں کب ہو گی؟ کب مریں گے؟ اور کب حشر ہو گا؟ کب ہمارا حساب و کتاب ہو گا؟ وہ تو بعد کی بات ہے' ابھی فوری معاملہ تو یہ ہے کہ یہ مال حاصل کر لو۔ اب وہ دنیا کا سازو سامان حاصل کرنے کے لئے اپنا دین بیچ ڈالے گا۔ اس لئے فرمایا کہ صبح کو مؤمن اٹھا تھا' شام کو کافر ہو کر سویا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے' اللہ

تعالیٰ بچائے، آمین۔

"ابھی تو جوان ہیں" شیطان کا دھوکہ ہے۔

لہٰذا کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ اگر نیک عمل کرنا ہے اور مسلمان کی طرح زندہ رہنا ہے تو انتظار کس چیز کا؟ جو عمل کرنا ہے بس جلدی کر لو۔ اب ہم سب اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں؟ ہمارے دلوں میں دن رات یہ خیال آتا رہتا ہے کہ اچھا اب نیک عمل کریں گے، اور شیطان یہ دھوکہ دیتا رہتا ہے کہ ابھی تو بہت عمر پڑی ہے، ابھی تو نوجوان ہیں، ابھی تو ادھیڑ عمر کو پہنچیں گے، اور پھر بوڑھے ہوں گے، پھر اس وقت نیک اعمال شروع کر دیں گے۔ نبی کریم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جو حکیم ہیں، اور ہماری رگوں سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ شیطان ان کو اس طرح بہکائے گا۔ اس لئے فرمادیا کہ جلدی جلدی نیکیاں کر لو، اور جو نیک کاموں کی باتیں سن رہے ہو، اس پر عمل کرتے چلے جاؤ۔ کل کا انتظار مت کرو، اس لئے کہ کل آنے والا فتنہ معلوم نہیں تمہیں کہاں پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

نفس کو بہلا کر اور دھوکہ دے کر اس سے کام لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ نفس کو ذرا دھوکہ دے کر اس سے کام لیا کرو۔ اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ روزانہ تہجد پڑھنے کا معمول تھا۔ آخر عمر اور ضُعف کے زمانے میں ایک دن بحمداللہ تہجد کے وقت جب آنکھ کھلی تو طبیعت میں بڑی سُستی اور کسل تھا، دل میں خیال آیا کہ آج تو طبیعت بھی پوری طرح ٹھیک نہیں، کسل بھی ہے، اور عمر بھی تمہاری زیادہ ہے، اور تہجد کی نماز کوئی فرض وواجب بھی نہیں ہے، پڑے رہو، اور آج

اگر تہجد چھوڑ دو گے تو کیا ہو جائے گا؟ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ بات تو ٹھیک ہے کہ تہجد فرض واجب بھی نہیں ہے، اور طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے، باقی یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا وقت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اہلِ زمین پر متوجہ ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی پکارتا ہے کہ کوئی مغفرت مانگنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کی جائے، ایسے وقت کو بیکار گزارنا بھی ٹھیک نہیں ہے، نفس کو بہلا دیا کہ اچھا ایسا کرو کہ اٹھ کر بیٹھ جاؤ اور بیٹھ کر تھوڑی سی دعا کرلو اور دعا کر کے سو جانا، چنانچہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور دعا کرنی شروع کردی، دعا کرتے کرتے میں نے نفس سے کہا کہ میاں! جب تم اٹھ کر بیٹھ گئے تو نیند تو تمہاری چلی گئی، اب غسل خانے تک چلے جاؤ، اور استنجاء وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ، پھر آرام سے آکر لیٹ جانا۔ پھر جب غسل خانے پہنچا اور استنجا وغیرہ سے فارغ ہو گیا تو سوچا کہ چلو وضو بھی کرلو، اس لئے کہ وضو کر کے دعا کرنے میں قبولیت کی توقع زیادہ ہے، چنانچہ وضو کرلیا اور بستر پر واپس آکر بیٹھ گیا، اور دعا شروع کردی، پھر نفس کو بہلایا کہ بستر پر بیٹھ کر کیا دعا ہو رہی ہے، دعا کرنے کی جو تمہاری جگہ ہے، وہیں جا کر دعا کرلو، اور نفس کو جائے نماز تک کھینچ کر لے گیا، اور جا کر جلدی سے دو رکعت تہجد کی نیت باندھ لی۔

پھر فرمایا کہ اس نفس کو تھوڑا سا دھوکہ دے دے کر بھی لانا پڑتا ہے، جس طرح یہ نفس تمہارے ساتھ نیک کام کو ٹلانے کا معاملہ کرتا ہے، اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرو، اور اس کو کھینچ کھینچ کر لے جایا کرو، انشاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ پھر اس عمل کی توفیق عطا فرما دیں گے۔

اگر اس وقت سربراہِ مملکت کا پیغام آجائے

ایک مرتبہ فرمایا کہ صبح فجر کی نماز کے بعد ۲ گھنٹے تک اپنے معمولات،

تلاوت، ذکر و اذکار اور تسبیح میں گزارتا ہوں۔ ایک دن طبیعت میں کچھ سستی تھی، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ آج تو یہ کہہ رہے ہو کہ طبیعت میں کسل ہے، سستی ہے، اٹھا نہیں جاتا، اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اس وقت سربراہِ مملکت کا پیغام لے کر آئے کہ آپ کو کوئی انعام دینے کے لئے بلایا گیا ہے تو کیا پھر بھی سستی باقی رہے گی؟ پھر بھی یہ کسل باقی رہے گا؟ نفس نے جواب دیا کہ نہیں، اس وقت تو کسل اور سستی باقی نہیں رہے گی، بلکہ دوڑے جائیں گے، اور جاکر انعام وصول کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور پھر اپنے نفس کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ وقت بھی اللہ جلّ جلالہٗ کے دربار میں حضوری کا وقت ہے، اور حضوری کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے انعامات وصول کرنے کا وقت ہے، پھر کہاں کی سستی اور کہاں کا کسل، چھوڑو اس کسل اور سستی کو۔ بس یہ سوچ کر اپنے دل کو بہلایا، اور اپنے معمولات میں مشغول ہوگیا۔ بہرحال یہ نفس اور شیطان تو انسان کے بہکانے میں لگے ہوئے ہیں، لیکن ان کو بھی بہلایا کرو، اور جلدی سے ان اعمال کو کرنے کی فکر کیا کرو۔

جنّت کا سچّا طلب گار

دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

> "غزوہ اُحد کی لڑائی کے دوران جبکہ معرکہ گرم ہے، مسلمان اور کافروں کی لڑائی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قیادت فرما رہے ہیں، مسلمان کم ہیں اور کافر زیادہ ہیں، مسلمان بے سروسامان ہیں، اور کافر مسلح ہیں، اور ہر لحاظ سے معرکہ سخت ہے۔ اس وقت میں ایک دیہاتی قسم کا آدمی کھجوریں کھاتا جارہا تھا، اس نے آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ لڑائی جو آپ کروا رہے ہیں اس میں اگر ہم قتل ہوگئے تو ہمارا انجام کیا ہوگا؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس کا انجام جنت ہے، سیدھے جنت میں جاؤ گے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ کھجوریں کھاتا جارہا تھا، لیکن جب اس نے یہ سنا کہ اس کا انجام جنت ہے تو کھجوریں پھینک کر سیدھا لڑائی میں گھس گیا، یہاں تک کہ اسی میں شہید ہوگیا"۔

اس لئے کہ جب اس نے سن لیا کہ اس جہاد کا انجام جنت ہے، تو پھر اتنی تاخیر بھی گوارا نہیں کہ وہ ان کھجوروں کو پورا کرکے پھر جہاد میں شریک ہو۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جنت کے مقام تک پہنچادیا۔ یہ اسی کی برکت تھی کہ نیکی کا جو داعیہ پیدا ہوا، اس پر عمل کرنے میں تاخیر نہیں کی، بلکہ فوراً آگے بڑھ کر اس پر عمل کرلیا۔

اذان کی آواز سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک صحابی نے پوچھا کہ امّ المؤمنین! سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے باہر جو ارشادات فرماتے ہیں، اور گھر کے باہر جیسی زندگی گزارتے ہیں وہ تو ہم سب کو پتہ ہے، لیکن یہ بتایئے کہ گھر میں کیا عمل کرتے ہیں؟ (ان کے ذہن میں یہ ہوگا کہ گھر میں جاکر مصلّٰی بچھاتے ہوں گے، اور نماز اور ذکر و اذکار اور تسبیح وغیرہ میں مشغول رہتے ہوں گے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ:

"جب آپ گھر میں تشریف لاتے ہیں تو ہمارے ساتھ

ہمارے گھر کے کاموں میں ہاتھ بھی بٹاتے ہیں، اور ہمارا دکھ درد بھی سنتے ہیں، ہمارے ساتھ خوش طبعی کی باتیں بھی کرتے ہیں، ہمارے ساتھ کھلے ملے رہتے ہیں۔ البتہ ایک بات ہے کہ جب اذان کی آواز کان میں پڑتی ہے تو اس طرح اٹھ کر چلے جاتے ہیں جس طرح ہمیں پہچانتے بھی نہیں"۔

اعلیٰ درجے کا صدقہ

تیسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: یارسول اللہ! ای الصدقة اعظم اجرا؟ قال: ان تصدق وانت صحیح شحیح تخشی الفقر وتأمل الغنی ولا تمہل حتی اذا بلغت الحلقوم قلت: لفلان کذا ولفلان کذا وقد کان لفلان۔

(صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الصدقة عند الموت)

فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور پوچھا کہ سب سے زیادہ ثواب والا صدقہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سب سے اعلیٰ درجہ کا صدقہ یہ ہے کہ تم اپنی صحت کی حالت میں صدقہ کرو، اور ایسے وقت میں صدقہ کرو جب تمہارے دل میں مال کی محبت ہو، اور دل میں یہ خیال ہو کہ یہ مال ایسی چیز نہیں ہے کہ اسے یونہی لٹا دیا جائے، اور مال خرچ کرنے میں تکلیف بھی ہو رہی ہو اور یہ بھی اندیشہ ہو کہ اس صدقہ کرنے کے نتیجے میں بعد میں فقر کا شکار ہو جاؤں گا، اور بعد میں معلوم نہیں کیا حالات ہوں

گے؟ اس وقت جو صدقہ کرو گے وہ بڑا اجر والا ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ صدقہ دینے کا دل میں خیال آیا ہے تو اس کو ٹلاؤ نہیں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض لوگ صدقہ کرنے کو ٹلاتے رہتے ہیں' اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جب مرنے کا وقت بالکل قریب آجائے گا تو اس وقت کچھ وصیّت کر جائیں گے کہ مرنے کے بعد میرا اتنا مال فلاں کو دے دینا' اور اتنا مال فلاں کو دینا' اور اتنا مال فلاں کام میں لگا دینا وغیرہ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ تم تو یہ کہہ رہے ہو کہ اتنا مال فلاں کو دے دینا؟ ارے اب تو وہ تمہارا مال رہا ہی نہیں' وہ تو کسی اور کا ہوگیا' کیوں؟ اس لئے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں کوئی صدقہ کرے' یا صدقہ کرنے کی وصیّت کرے کہ اتنا مال فلاں کو دے دیا جائے' یا کسی شخص کو ہبہ کرے' اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہوجائے تو اس صورت میں صرف ایک تہائی مال کی حد تک صدقہ نافذ ہوگا' اور باقی دو تہائی مال ورثاء کو ملے گا' اس لئے کہ وہ وارثوں کا حق ہے۔ کیونکہ مرنے سے پہلے بیماری ہی میں اس مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہوجاتا ہے۔

سوچا یہ تھا کہ آخری عمر میں جاکر سارا مال کسی صدقہ جاریہ میں لگادیں گے تو ساری عمر ثواب ملتا رہے گا۔ حالانکہ وہ تو حالتِ مجبوری کا صدقہ ہے' اور اجر و ثواب والا صدقہ تو وہ ہے جو صحت کے وقت میں مال کی ضرورت اور محبت اور اس کے جمع کرنے کے خیال کے وقت میں کیا جائے۔

وصیت ایک تہائی مال کی حد تک نافذ ہوتی ہے

یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ بعض لوگ وصیّت کے خواہش مند تو ہوتے ہیں کہ صدقہ جاریہ میں کوئی چیز لگ جائے' اور مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب ملتا رہے لیکن اگر وہ اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں یہ وصیّت لکھ گئے کہ

میرے مرنے کے بعد اتنا مال فلاں ضرورت مند کو دے دیا جائے' تو یہ وصیت صرف ایک تہائی کی حد تک نافذ ہوگی' ایک تہائی سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوگی' اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ :

"صدقہ کرنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا ہے اس پر ابھی عمل کرلو"۔

اپنی آمدنی کا ایک حصّہ صدقہ کرنے کے لئے علیٰحدہ کردو

اور اس کا ایک طریقہ میں آپ کے سامنے پہلے بھی بیان کرچکا ہوں' جس کا بزرگوں نے تجربہ بھی کیا ہے۔ اس پر اگر انسان عمل کرلے تو پھر صدقہ کرنے کی توفیق ہوجاتی ہے' ورنہ ہم لوگ تو نیک کام کو ٹلانے کے عادی بن چکے ہیں۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ آپ کی جو آمدنی ہے اس کا ایک حصّہ مقرر کرلیں کہ یہ حصّہ اللہ کی راہ میں صدقہ کریں گے اللہ تعالیٰ جتنی توفیق دے' چاہے وہ دسواں حصّہ مقرر کریں یا بیسواں حصّہ وغیرہ۔ اور پھر جب آمدنی آئے تو اس میں سے وہ مقرر حصّہ نکال کر علیٰحدہ رکھ دیں اور اس کے لئے کوئی لفافہ بنالیں' اس میں ڈالتے جائیں۔ اب وہ لفافہ خود یاد دلاتا رہے گا کہ مجھے خرچ کرو۔ کسی صحیح مصرف پر لگاؤ' اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ خرچ کرنے کی توفیق دے دیتے ہیں۔ ورنہ اگر خرچ کرنے کا موقع سامنے آتا ہے تو آدمی سوچتا رہتا ہے کہ خرچ کروں یا نہ کروں۔ لیکن جب وہ لفافہ موجود ہوگا' اور پہلے سے اس کے اندر پیسے موجود ہوں گے' تو وہ خود یاد دلائے گا' اور موقع سامنے آنے کی صورت میں سوچنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اگر ہر انسان اپنی حیثیت کے مطابق یہ معمول بنالے تو اس کے لئے خرچ کرنا آسان ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں گنتی نہیں دیکھی جاتی

یاد رکھو: اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں گنتی اور تعداد نہیں دیکھی جاتی' بلکہ جذبہ اور اخلاص دیکھا جاتا ہے' ایک آدمی جس کی آمدنی سو روپے ہے' وہ اگر ایک روپیہ اللہ کی راہ میں دیتا ہے' وہ اس آدمی کے برابر ہے جس کی آمدنی ایک لاکھ روپے ہے' اور ایک ہزار روپے اللہ کی راہ میں دیتا ہے' اور کچھ پتہ نہیں کہ وہ ایک روپیہ دینے والا اپنے اخلاص کی وجہ سے اس سے بھی آگے بڑھ جائے۔ اس واسطے گنتی کو نہ دیکھو۔ بلکہ یہ دیکھو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں صدقہ کرنے کی فضیلت حاصل کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنی ہے تو پھر اپنی آمدنی کا تھوڑا سا حصہ اللہ کی راہ میں ضرور خرچ کردو۔

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کا معمول

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ہمیشہ محنت سے حاصل ہونے والی آمدنی کا بیسواں حصہ اور بغیر محنت کے حاصل ہونے والی آمدنی کا دسواں حصہ علیحدہ لفافے میں رکھ دیا کرتے تھے۔ اور آپ کا یہ ساری زندگی کا معمول تھا' اگر ایک روپیہ بھی کہیں سے آیا تو اسی وقت اس کا دسواں حصہ نکال کر اس کی ریزگاری کرا کر اس لفافے میں ڈال دیتے' اور اگر سو روپے آئے ہیں تو دس روپے ڈال دیتے' وقتی طور پر اگرچہ اس عمل میں تھوڑی سی دشواری ہوتی تھی کہ فی الحال ٹوٹے ہوئے پیسے موجود نہیں ہیں' اب کیا کریں' اس کے لئے مستقل انتظام کرنا پڑتا تھا' لیکن ساری عمر کبھی اس عمل سے تخلف نہیں دیکھا اور میں نے وہ تھیلا کبھی ساری عمر بھی خالی نہیں دیکھا۔ الحمد اللہ۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی اس طرح نکال نکال کر الگ کرتا رہتا ہے تو وہ تھیلا خود یاد دلاتا رہتا ہے کہ مجھے خرچ کرو' اور کسی صحیح

مصرف پر لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے انفاق کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق صدقہ کرے

ایک صاحب ایک مرتبہ کہنے لگے کہ صاحب! ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں۔ ہم کہاں سے خرچ کریں؟ میں نے عرض کیا کہ ایک روپیہ ہے؟ اور ایک روپیہ میں سے ایک پائی نکال سکتے ہو؟ فقیر سے فقیر آدمی کے پاس بھی ایک روپیہ ضرور ہوتا ہے' اور ایک روپیہ میں سے ایک پیسہ نکالنے میں کوئی بڑی کمی نہیں ہو جائے گی؟ بس ایک پیسہ نکال دو۔ تو اس شخص کے ایک پیسہ نکالنے میں اور دوسرے شخص کے ایک لاکھ میں سے ایک ہزار نکالنے میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے مقدار کو نہ دیکھو' بلکہ جس وقت جو جذبہ پیدا ہوا' اس پر عمل کرلو۔

یہ ہے اپنی اصلاح کا نسخہ اکسیر۔ بس اپنے آپ کو ٹلانے سے بچاؤ۔ اگر انسان اس پر عمل کرلے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کے لئے صحیح راہ پر مال خرچ کرنے کے بڑے راستے پیدا ہو جاتے ہیں' اور مال خرچ کرنے کے فضائل حاصل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

کس کا انتظار کر رہے ہو؟

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: بادروا بالأعمال سبعا، ھل تنتظرون إلا فقرا منسیا، اوغنی مطغیا اومرضا مفسدا، اوھرما مفندا،

او موتاً مجهزًا، او الدجال فشر غائب ينتظر، أو الساعة، فالساعة ادهى وأمر۔ أو كما قال صلى الله عليه وسلم۔

(ترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء فی المبادرة بالعمل)

یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں "مبادرت الی الخیرات" یعنی نیک کاموں کی طرف بڑھنے کی جلدی سے فکر کرنے کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

﴿ بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ سَبْعًا ﴾

سات چیزوں کے آنے سے پہلے جلد از جلد اچھے اعمال کرلو، جس کے بعد اچھا عمل کرنے کا موقع نہ ملے گا، اور پھر ان سات چیزوں کو ایک دوسرے انداز سے بیان فرمایا۔

کیا فقر کا انتظار ہے؟

﴿ هَلْ تَنْتَظِرُوْنَ إِلَّا فَقْرًا مُنْسِيًا ﴾

کیا تم نیک اعمال کرنے کے لئے ایسے فقروفاقے کا انتظار کر رہے ہو جو بھلا دینے والا ہو؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس وقت تمہیں خوش حالی میسر ہے، روپیہ پیسہ پاس ہے، کھانے پینے کی تنگی نہیں ہے، اور عیش و آرام سے زندگی بسر ہو رہی ہے۔ ان حالات میں اگر تم نیک اعمال کو ٹال رہے ہو تو کیا تم اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ جب موجودہ خوش حالی دور ہو جائے گی، اور خدا نہ کرے فقروفاقہ آجائے گا، اور اس فقروفاقے کے نتیجے میں تم اور چیزوں کو بھول جاؤ گے تو اس وقت نیک اعمال کرو گے۔ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ اس

خوش حالی کے زمانے میں تو عیش ہیں' اور مزے ہیں' اور پھر جب دوسرا وقت آئے گا' تو اس میں نیک عمل کریں گے' تو اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ جب مالی تنگی آجائے گی تو اس وقت نیک اعمال سے اور دور ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت انسان اتنا پریشان ہوتا ہے کہ ضروری کام بھی بھول جاتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ وقت آئے اور تمہیں مالی پریشانی لاحق ہو' معاشی طور پر تنگی کا سامنا ہو' اس سے پہلے پہلے جو کچھ تمہیں خوش حالی میسّر ہے' اس کو غنیمت سمجھ کر اس کو نیک عمل میں صرف کرو۔ آگے فرمایا:

کیا مالداری کا انتظار ہے؟

﴿ اَوْغِنًى مُّطْغِيًا ﴾

یا تم ایسی مالداری کا انتظار کررہے ہو جو انسان کو سرکش بنادے؟ یعنی اگر اس وقت بہت زیادہ مالدار نہیں ہو اور یہ خیال کررہے ہو کہ ابھی ذرا مالی تنگی ہے یا یہ کہ مالی تنگی تو نہیں ہے لیکن دل یہ چاہ رہا ہے کہ ذرا اور پیسے آجائیں' اور دولت مل جائے' تب نیک اعمال کریں گے۔ یاد رکھو! اگر مالداری زیادہ ہوگئی' اور پیسے بہت زیادہ آگئے' اور دولت کے انبار جمع ہوگئے تو اس کے نتیجے میں اندیشہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مال ودولت تمہیں اور زیادہ سرکشی میں مبتلا کردے۔ اس لئے کہ انسان کے پاس جب مال زیادہ ہوجاتا ہے' اور عیش وآرام زیادہ میسّر آجاتا ہے وہ خدا کو بھلا بیٹھتا ہے۔ لہٰذا جو کچھ کرنا ہے ابھی کرلو۔

کیا بیماری کا انتظار ہے؟

﴿ أو مرضاً مفسدا ﴾

یا ایسی بیماری کا انتظار کر رہے ہو جو تمہاری صحت کو خراب کر دے؟ یعنی اِس وقت تو صحت ہے' طبیعت ٹھیک ہے۔ جسم میں طاقت اور قوت ہے۔ اگر اس وقت کوئی عمل کرنا چاہو گے تو آسانی کے ساتھ کر سکو گے' تو کیا نیک عمل کو اِس لئے ٹلا رہے ہو کہ جب یہ صحت رخصت ہو جائے گی اور خدا نہ کرے جب بیماری آجائے گی تو پھر نیک عمل کریں گے۔ ارے جب صحت کی حالت میں نیک عمل نہیں کر پائے تو بیماری کی حالت میں کیا کرو گے؟ اور پھر بیماری خدا جانے کیسی آجائے' اور کس وقت آجائے' تو قبل اس کے کہ وہ بیماری آئے' نیک عمل کر لو۔

کیا بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟

﴿ أو هرماً مفنداً ﴾

یا تم سٹھیا دینے والے بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟ اور یہ خیال کر رہے ہو کہ ابھی تو ہم جوان ہیں' ابھی تو ہماری عمر ہی کیا ہے' ابھی تو دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔ اس جوانی کے زمانے کو ذرا عیش اور لذتوں کے ساتھ گزر جانے دو' پھر نیک عمل کر لیں گے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کیا تم بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟ حالانکہ بعض اوقات بڑھاپے میں انسان کے حواس خراب ہو جاتے ہیں' اور اگر کوئی کام کرنا بھی چاہے تو نہیں کر پاتا' تو قبل اس کے کہ بڑھاپے کا دور آئے اس سے پہلے نیک

عمل کرلو۔ بڑھاپے میں تو یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت، اور اب گناہ کرنے کی طاقت ہی نہ رہی، اس وقت اگر گناہ سے بچ بھی گئے تو کیا کمال کرلیا؟ جب جوانی ہو، طاقت موجود ہو، گناہ کرنے کے سامان موجود ہوں، گناہ کرنے کے اسباب موجود ہوں، گناہ کرنے کا جذبہ دل میں موجود ہو، اس وقت اگر انسان گناہ سے بچ جائے تو درحقیقت یہ ہے پیغمبرانہ طریقہ۔ چنانچہ اسی کے بارے میں شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

کہ وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیز گار
در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری است

ارے بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے۔ وہ اس لئے پرہیزگار نہیں بنا کہ اس کو کسی اخلاقی فلسفے نے پرہیزگار بنادیا، یا اس کے دل میں خدا کا خوف آگیا، بلکہ اس لئے پرہیزگار بن گیا کہ اب کچھ کرہی نہیں سکتا، کسی کو چیر پھاڑ کر کھا نہیں سکتا، اب وہ طاقت ہی باقی نہیں رہی، اس لئے ایک گوشہ کے اندر پرہیزگار بنا بیٹھا ہے۔ یاد رکھو! جوانی کے اندر توبہ کرنا، یہ ہے پیغمبری کا شیوہ، یہ ہے پیغمبروں کا شِعار۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ بھرپور جوانی ہے، طاقت ہے، قوت ہے، حالات میسّر ہیں، اور گناہ کی دعوت دی جارہی ہے۔ لیکن اس وقت زبان پر یہ کلمہ آتا ہے :

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ (سورۃ یوسف: ۲۳)

"میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں"۔

یہ ہے پیغمبری کا شیوہ کہ انسان جوانی کے اندر گناہ سے تائب ہوجائے، جوانی کے اندر انسان نیک عمل کرے۔ بڑھاپے میں تو اور کوئی کام بن نہیں

پڑتا' ہاتھ پاؤں چلانے کی سکت ہی نہیں۔ اب گناہ کیا کرے؟ گناہ کے مواقع ہی ختم ہو گئے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جب بوڑھے ہو جائیں گے تب نیک عمل کریں گے' تب نماز شروع کریں گے' اس وقت اللہ کو یاد کریں گے۔ اگر حج فرض ہو گیا تو یہ سوچتے ہیں کہ جب عمر زیادہ ہو جائے گی' تب جائیں گے۔ خدا جانے کتنے دن کی زندگی باقی ہے؟ کتنی مہلت ملی ہوئی ہے؟ بڑھاپا آتا ہے یا نہیں' اگر بڑھاپا آبھی گیا تو معلوم نہیں اس وقت حالات سازگار رہوں' یا نہ ہوں۔ اس لئے اسی وقت کر گزرو۔

کیا موت کا انتظار ہے؟

﴿ أَوْ مَوْتًا مُّجْهِزًا ﴾

یا تم اس موت کا انتظار کر رہے ہو جو اچانک آجائے۔ ابھی تو تم نیک اعمال کو ٹلا رہے ہو کہ کل کرلیں گے' پرسوں کرلیں گے' کچھ اور وقت گزر جائے تو شروع کردیں گے' کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ موت اچانک بھی آسکتی ہے۔ بعض اوقات تو موت پیغام دیتی ہے' الٹی میٹم دیتی ہے۔ لیکن بعض اوقات بغیر الٹی میٹم کے بھی آجاتی ہے اور آج کی دنیا میں تو حادثات کا یہ عالم ہے کہ کچھ معلوم نہیں' کس وقت انسان کے ساتھ کیا ہو جائے؟ ویسے تو اللہ تعالیٰ نوٹس بھیجتے رہتے ہیں۔

ملک الموت سے ملاقات

ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص کی ایک مرتبہ ملک الموت سے ملاقات ہو گئی (خدا معلوم کیسی حکایت ہے' لیکن بہرحال عبرت کی حکایت ہے) تو اس نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے کہا کہ جناب : آپ کا بھی عجیب

معاملہ ہے، جب آپ کی مرضی ہوتی ہے آدھمکتے ہیں۔ دنیا کا قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی سزا دینی ہو تو پہلے سے اس کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت تمہارے ساتھ یہ معاملہ ہونے والا ہے، اس کے لئے تیار ہو جانا۔ اور آپ تو نوٹس کے بغیر چلے آتے ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: ارے بھائی! میں تو اتنے نوٹس دیتا ہوں کہ دنیا میں کوئی بھی نہیں دیتا ہو گا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ کوئی نوٹس سنتا ہی نہیں؟ تمہیں معلوم نہیں کہ جب بخار آتا ہے تو وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب سر میں درد ہوتا ہے وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب بڑھاپا آتا ہے وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب سفید بال آجاتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب آدمی کے پوتے پیدا ہو جاتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، تو میں تو مسلسل نوٹس بھیجتا رہتا ہوں، یہ اور بات ہے کہ تم سنتے ہی نہیں۔ یہ ساری بیماریاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوٹس ہیں کہ دیکھو! وقت آنے والا ہے، قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ.

(سورۃ فاطر: ۳۷)

"یعنی آخرت میں ہم تم سے پوچھیں گے کہ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں اگر کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آگیا تھا"۔

یہ کون ڈرانے والا آیا تھا؟ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر لوگوں کو ڈرایا کہ موت کا وقت جب آئے گا تو اللہ تعالیٰ کے

سامنے پیش ہونا ہوگا۔ بعض مفسّرین نے فرمایا کہ "نذیر" سے مراد سفید بال ہیں، جب سر میں یا داڑھی میں سفید بال آگئے تو یہ "نذیر" ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا آیا ہے کہ اب وقت قریب آرہا ہے، تیار ہو جاؤ۔ اور بعض مفسّرین نے فرمایا کہ "نذیر" سے مراد "پوتا" ہے کہ جب کسی کے یہاں پوتا پیدا ہو جائے تو یہ پوتا "نذیر" ہے، ڈرانے والا ہے کہ اب وقت آنے والا ہے، تیار ہو جاؤ۔ اسی کو کسی عربی شاعر نے ایک شعر میں نظم کر دیا ہے کہ ؎

اذا الرجال ولدت أولادها

وبليت من كبر أجسادها

وجعلت أسقامها تعتادها

تلك زروع قد دنا حصادها

یعنی جب انسان کی اولاد کی اولاد پیدا ہو جائے اور بڑھاپے کی وجہ سے اس کا بدن پرانا ہو جائے۔ اور بیماریاں یکے بعد دیگرے آنے لگیں، کبھی ایک بیماری، کبھی دوسری بیماری، ایک بیماری ٹھیک ہوئی تو دوسری آگئی، تو سمجھ لو کہ یہ وہ کھیتیاں ہیں جن کی کٹائی کا وقت آگیا ہے۔ بہرحال! سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نوٹس ہیں۔ اگرچہ عادت اللہ یہی ہے کہ یہ نوٹس آتے رہتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات موت اچانک بغیر نوٹس کے بھی آجاتی ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تم ایسی موت کا انتظار کر رہے ہو جو نوٹس دیئے بغیر اچانک آجائے۔ کیا معلوم کہ کتنے سانس ابھی باقی ہیں۔ اس کا انتظار کیوں کر رہے ہو؟ اس کے بعد فرمایا:

کیا دجّال کا انتظار ہے؟

اَوِ الدَّجَّال

کیا تم دجال کا انتظار کررہے ہو؟ اور یہ سوچ رہے ہو کہ ابھی تو زمانہ نیک عمل کے لئے سازگار نہیں ہے۔ تو کیا دجّال کا زمانہ سازگار ہوگا؟ جب دجّال ظاہر ہوگا تو کیا اس فتنے کے عالم میں نیک عمل کرسکو گے؟ خدا جانے اس وقت کیا عالم ہو' گمراہی کے کیسے محرکات اور دواعی پیدا ہوجائیں' تو کیا تم اس وقت کا انتظار کررہے ہو؟ فشر غائب ینتظر 'یعنی دجال اَن دیکھی چیزوں میں بدترین چیز ہے جس کا انتظار کیا جائے' بلکہ اس کے آنے سے پہلے پہلے نیک عمل کرلو۔ اور آخر میں فرمایا :

کیا قیامت کا انتظار ہے؟

﴿اَوِ السَّاعَةَ. فَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ﴾

یا پھر قیامت کا انتظار کررہے ہو؟ تو سُن رکھو کہ قیامت جب آئے گی تو اتنی مصیبت کی چیز ہوگی کہ اس مصیبت کا کوئی علاج انسان کے پاس نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس کے آنے سے پہلے پہلے نیک عمل کرلو۔

ساری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کو ٹلاؤ نہیں' اور آج کے نیک عمل کو کل پر مت چھوڑو' بلکہ جب نیک عمل کا جذبہ پیدا ہو' اس پر فوراً ابھی عمل کرلو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سفارش

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له۔ واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا وسندنا ونبينا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيرا۔

عن ابي موسى الاشعري رضي الله تعالى عنه قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا اتى طالب حاجة اقبل على جلساء فقال اشفعوا تؤجروا

(صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب التحریض علی الصدقۃ والشفاعۃ فیہا، حدیث نمبر ۱۳۳۲)

حاجت مند کی سفارش کر دو

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی حاجت مند اپنی ضرورت لے کر آتا، اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے کوئی درخواست کرتا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جو لوگ بیٹھے ہوتے تھے، آپ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ تم اس حاجت مند کی مجھ سے سفارش کر دو کہ "آپ اس کی حاجت پوری کر دیں" تاکہ تمہیں بھی سفارش کا اجر و ثواب مل جائے۔ البتہ فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر وہی کرائے گا جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائیں گے۔ یعنی تمہاری سفارش کی وجہ سے کوئی غلط فیصلہ تو میں نہیں کروں گا۔ فیصلہ تو وہی کرونگا جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ لیکن تم جب سفارش کرو گے تو سفارش کرنے کا ثواب تم کو بھی مل جائے گا۔ اس لئے تم سفارش کرو۔

سفارش موجب اجر و ثواب ہے

اس حدیث میں درحقیقت اس طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ ایک مسلمان کے لئے کسی دوسرے مسلمان بھائی کی سفارش کرنا، تاکہ اس کا کام بن جائے۔ یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ اور اسی کی ترغیب دینی مقصود ہے کہ ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کی خیر خواہی میں لگا رہے۔ اور اس کی حاجت روائی میں جتنی کوشش ہو سکتی ہے۔ وہ کرے اور اس کی سفارش سے اس کا کوئی کام بن سکتا ہے تو اس کی سفارش کرے اور اس سفارش کرنے کا انشاء اللہ اس کو اجر ملے گا۔ اس سے سفارش کے عمل کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ اچھی سفارش کرنا بڑا باعث اجر و ثواب ہے، اور اسی وجہ سے بزرگوں کے یہاں اس کا بڑا معمول رہا کہ جب کوئی حاجت مند آکر سفارش کراتا تو وہ عموماً اس کی سفارش کر دیتے۔ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ میں نے سفارش کر کے اس پر بہت بڑا احسان کر دیا، بلکہ اپنے

لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

ایک بزرگ کی سفارش کا واقعہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے۔ غالباً حضرت شاہ عبد القادر صاحب" کا واقعہ ہے۔ نام صحیح طور پر یاد نہیں۔ ایک شخص ان بزرگ کی خدمت میں آیا۔ اور کہا کہ حضرت! میرا ایک کام رکا ہوا ہے، اور فلاں صاحب کے اختیار میں ہے۔ اگر آپ اس سے کچھ سفارش فرمادیں تو میرا کام بن جائے، تو حضرت" نے فرمایا جن صاحب کا تم نام لے رہے ہو۔ وہ میرے بہت سخت مخالف ہیں۔ اور مجھے اندیشہ یہ ہے کہ اگر میری سفارش ان تک پہنچ گئی تو اگر وہ تمہارا کام کرتے ہوئے بھی ہوں گے تو بھی نہیں کریں گے، میں تمہاری سفارش کر دیتا، لیکن میری سفارش سے فائدہ ہونے کے بجائے الٹا نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ لیکن وہ شخص ان بزرگ کے پیچھے ہی پڑ گیا، کہنے لگا بس! آپ لکھ دیجئے، اس لئے اگرچہ وہ آپ کا مخالف ہے، لیکن آپ کی شخصیت ایسی ہے کہ امید ہے کہ وہ اس کو رد نہیں کریں گے، ان بزرگ نے مجبور ہو کر ان کے نام ایک پرچہ لکھ دیا، جب وہ شخص پرچہ لے کر وہاں پہنچا تو ان بزرگ کا جو خیال تھا کہ یہ میرا مخالف ہے، اور کام کرتا ہوا بھی ہو گا تو نہیں کرے گا۔ وہ خیال صحیح ثابت ہوا۔ اور بجائے اس کہ وہ اس پرچے کی کچھ قدر کرتا، یا اس پر عمل کرتا، اس اللہ کے بندے نے ان بزرگ کو گالی دے دی، اب وہ شخص ان بزرگ کے پاس واپس آیا، اور آکر کر کہا کہ حضرت! آپ کی بات سچی تھی۔ واقعۃً بجائے اس کے کہ وہ اس کی قدر اور احترام کرتا، اس نے تو الٹی گالی دے دی، ان بزرگ نے فرمایا کہ اب میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کام بنا دے۔

سفارش کر کے احسان نہ جتلائے

معلوم ہوا کہ سفارش کرنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، بشرطیکہ اس سے کسی اللہ کے بندے کو فائدہ پہنچانا اور ثواب حاصل کرنا مقصود ہو۔ احسان جتلانا مقصود نہ ہو کہ فلاں وقت میں نے تمہارا کام بنا دیا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود ہو کہ اللہ کے ایک بندے کے کام میں میں نے تھوڑی سے مدد کر دی۔ تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس پر مجھے اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ اس نقطہ نظر سے جو سفارش کی جائے۔ وہ بہت باعث اجر و ثواب ہے۔

سفارش کے احکام

لیکن سفارش کرنے کے کچھ احکام ہیں۔ کس موقع پر سفارش کرنا جائز ہے اور کس موقع پر جائز نہیں؟ سفارش کا مطلب کیا ہے؟ سفارش کا نتیجہ کیا ہونا چاہئے؟ کس طرح سفارش کرنی چاہئے؟ یہ ساری باتیں سمجھنے کی ہیں، اور ان کے نہ سمجھنے کی وجہ سے سفارش، جو بہت اچھی چیز بھی تھی۔ فائدہ مند اور باعث اجر و ثواب چیز تھی۔ الٹی باعث گناہ بن رہی ہے۔ اور اس سے معاشرے میں فساد پھیل رہا ہے۔ اس لئے ان احکام کو سمجھنا ضروری ہے۔

نااہل کیلئے منصب کی سفارش

پہلی بات یہ ہے کہ سفارش ہمیشہ ایسے کام کی ہونی چاہئے جو جائز اور برحق ہو۔ کسی ناجائز کام کے لئے یا ناحق کام کے لئے سفارش کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔ ایک شخص کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ وہ فلاں منصب اور فلاں عہدہ کا اہل نہیں ہے۔ اور اس نے اس عہدہ کے حصول کے لئے درخواست دے رکھی ہے۔ اور آپ کے پاس سفارش کے لئے آتا ہے، لیکن آپ نے صرف یہ دیکھ کر کہ یہ ضرورت مند ہے۔ سفارش لکھ دی کہ اس کو فلاں منصب پر فائز کر دیا جائے، یا

فلاں ملازمت اس کو دے دی جائے، تو یہ سفارش ناجائز ہے۔

سفارش، شہادت اور گواہی ہے

اس لئے کہ سفارش جس طرح اس شخص کی حاجت برلری کا ایک ذریعہ ہے۔ وہاں ساتھ ساتھ ایک شہادت اور گواہی بھی ہے۔ جب آپ کسی شخص کے حق میں سفارش کرتے ہیں تو آپ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ میری نظر میں یہ شخص اس کام کے کرنے کا اہل ہے، لہٰذا میں آپ سے یہ سفارش کرتا ہوں کہ اس کو یہ کام دے دیا جائے۔ تو یہ ایک گواہی ہے، اور گواہی کے اندر اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ واقعہ کے خلاف نہ ہو، اگر آپ نے اس شخص کے بارے میں لکھ دیا، اور حقیقت میں وہ نااہل ہے تو گواہی حرام ہوئی۔ اور باعث ثواب ہونے کے بجائے الٹا باعث گناہ بن گئی، اور یہ ایسا گناہ ہے کہ اگر اس کی نااہلی کے باوجود آپ کی سفارش کی بنیاد پر اس کو اس عہدہ پر رکھ لیا گیا، اور اپنی نااہلی کی وجہ سے اس نے لوگوں کو نقصان پہنچایا، یا کوئی غلط کام کیا۔ تو سارے نقصان اور غلط کاموں کے وبال کا ایک حصہ سفارش کرنے والے پر بھی آئے گا۔ کیونکہ اس نااہل کے اس عہدہ تک پہنچنے میں یہ سبب بنا ہے۔ لہٰذا یہ سفارش بھی ہے۔ اور گواہی بھی ہے۔ اور ناجائز کام کے لئے سفارش کرنا اور گواہی دینا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

ممتحن سے سفارش کرنا

کسی زمانہ میں میرے پاس یونیورسٹی سے ایم اے اسلامک اسٹڈیز کے پرچے جانچنے کیلئے آجایا کرتے تھے۔ اور میں لے بھی لیا کرتا تھا، لیکن لینے کیا شروع کئے کہ اسکے نتیجے میں لوگوں کی قطار لگ گئی، کبھی کوئی ٹیلیفون آرہا ہے کبھی کوئی آدمی آرہا ہے۔ اور آدمی بھی ایسے جو بظاہر بڑے دیانتدار اور امانت دار، اور ثقہ قسم کے لوگ باقاعدہ میرے پاس اسی مقصد کے لئے آتے، اور ان کے ہاتھوں میں نمبروں

کی ایک فہرست ہوتی، اور آکر کہتے کہ ان نمبر والوں کا ذرا خاص خیال رکھئے گا۔

سفارش کا ایک عجیب واقعہ

ایک مرتبہ ایک بڑے عالم شخص بھی اس طرح نمبروں کی فہرست لے کر آگئے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت! یہ تو بڑی غلط اور ناجائز بات ہے کہ آپ یہ سفارش لے کر آگئے ہیں۔ انشاء اللہ حق و انصاف کے مطابق جو جتنے نمبر کا مستحق ہوگا اتنے نمبر لگائے جائینگے۔ جواباً انہوں نے فوراً قرآن کریم کی آیت پڑھ دی:

مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا (سورۃ النساء: ۸۵)

مولوی کا شیطان بھی مولوی

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی کا شیطان بھی مولوی ہوتا ہے۔ عام آدمی کا شیطان تو دوسرے طریقوں سے بہکاتا ہے۔ اور جو شیطان مولوی کو بہکاتا ہے، وہ مولوی بن کر بہکاتا ہے۔

ان عالم صاحب نے اس آیت سے استدلال کیا کہ قرآن کریم میں ہے کہ سفارش کرو، اس لئے کہ سفارش بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، اس لئے میں سفارش لے کر آیا ہوں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ سفارش جائز نہیں۔

سفارش سے منصف کا ذہن خراب نہ کریں

کسی قاضی اور جج کے پاس تصفیہ کے لئے کوئی فیصلہ درپیش ہے، اور اس کے سامنے فریقین کی طرف سے گواہیاں پیش ہو رہی ہیں۔ اس وقت میں اگر کوئی یہ سفارش کرے کہ فلاں کا ذرا خیال رکھئے گا۔ یا فلاں کے حق میں فیصلہ کر دیجئے گا۔ تو یہ سفارش جائز نہیں۔ اور جو ممتحن امتحان لے رہا ہے اس کے پاس بھی سفارش لے کر جانا جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اس سفارش کے نتیجے میں اس کا ذہن

خراب ہو سکتا ہے۔ اور وہ قاضی تو اسی کام کے لئے بیٹھا ہے کہ دونوں طرف کے معاملات کو تول کر پھر اپنا فیصلہ دے کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر ہے۔

عدالت کے جج سے سفارش کرنا۔

اس لئے شریعت میں اس کا بہت اہتمام کیا گیا کہ جب ایک قاضی کے سامنے کوئی مقدمہ درپیش ہو، تو اس قاضی کے لئے حکم یہ ہے کہ اس مقدمہ سے متعلق کسی ایک فریق کی بات دوسرے فریق کی غیر موجودگی میں نہ سنے، جب تک دونوں فریق موجود نہ ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک شخص نے آکر آپ کو تنہائی میں معاملہ بتا دیا اور دوسرا آدمی اس سے بے خبر ہے، وہ اس کا جواب نہیں دے سکتا، اور وہ بات آپ کے ذہن پر مسلط ہو گئی، اور آپ کا ذہن اس سے متاثر ہو گیا تو یہ انصاف کے خلاف ہے۔ اس واسطے جب معاملہ قاضی کے پاس چلا جائے تو اس کے بعد سفارش کا دروازہ بند۔

سفارش پر میرا ردعمل

میرے پاس بھی کچھ مقدمات آجاتے ہیں۔ اور ان مقدمات سے متعلق بعض لوگ میرے پاس پہنچ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ درپیش ہے۔ آپ اس کا خیال رکھیں، تو میں کبھی ان کی بات نہیں سنتا، اور یہ کہہ دیتا ہوں کہ میرے لئے اس مقدمہ سے متعلق آپ کی کوئی بات سننا اس وقت تک شرعاً جائز نہیں جب تک کہ دوسرا فریق موجود نہ ہو، لہٰذا آپ کو جو کچھ کہنا ہو آپ عدالت میں آکر کہئے، تاکہ دوسرا فریق بھی سامنے موجود ہو، اور اس کی موجودگی میں بات کہی جائے اور سنی جائے، تاکہ اگر آپ کوئی غلط بات کہیں تو وہ اس کا جواب دے سکے، یہاں تنہائی میں آکر آپ میرے ذہن کو خراب کر جائیں۔ وہ کہتا ہے کہ صاحب! ہم تو ناجائز سفارش نہیں کر رہے ہیں۔ ہم تو بالکل جائز بات لے کر آئے ہیں۔

ارے بھائی! مجھے کیا پتہ کہ جائز لے کر آئے ہو، یا ناجائز لے کر آئے ہو۔ دوسرا فریق بھی موجود ہو، اور اس کے دلائل، اس کی گواہیاں اور شہادتیں بھی سامنے ہوں، اس وقت آمنے سامنے فیصلہ ہوگا۔ بہرحال! علیحدگی میں جاکر اس کے ذہن کو متاثر کرنا جائز نہیں۔

تو ایسے موقع پر یہ کہنا کہ قرآن کریم میں ہے کہ "مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا" یہ کسی طرح بھی جائز نہیں چونکہ ہمارے یہاں عرصہ دراز سے اسلام کا نظام قضاء ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ مسائل بھی لوگوں کو یاد نہیں رہے۔ اچھے اچھے پڑھے لکھے علماء بھی بھول جاتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ ان کی طرف سے بھی سفارش آجاتی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہوئی کہ سفارش ایسی جگہ کرنی چاہئے جہاں سفارش جائز ہے۔

بری سفارش گناہ ہے

دوسری بات یہ ہے کہ سفارش ایسے کام کے لئے ہونی چاہئے جو کام شرعاً جائز ہو، لہٰذا ناجائز کام کرانے کے لئے سفارش کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ مثلاً آپ کا دوست کہیں افسر لگا ہوا ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں اختیارات ہیں۔ اور آپ نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی نااہل کو بھرتی کرادیا تو یہ جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں جہاں اچھی سفارش کو باعث اجر قرار دیا گیا ہے وہاں بری سفارش کو باعث گناہ قرار دیا گیا ہے، فرمایا:

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا

(سورۃ النساء: ۸۵)

جو شخص بری سفارش کرے گا تو اس سفارش کرنے والے کو بھی اس گناہ میں سے حصہ ملے گا۔

سفارش کا مقصد صرف توجہ دلانا

یہ بات تو اہم ہے ہی، اور لوگ اعتقادی طور پر اس کو جانتے بھی ہیں کہ ناجائز سفارش نہیں کرنی چاہئے ...... لیکن اس سے بھی آگے ایک اور مسئلہ ہے۔ جس کی طرف عموماً دھیان نہیں۔ اور آج کل لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ وہ یہ ہے کہ لوگ آج کل سفارش کی حقیقت نہیں سمجھتے سفارش کی حقیقت یہ ہے کہ جس کے پاس سفارش کی جارہی ہے اس کو صرف توجہ دلانا ہے۔ یعنی اس کے علم اور ذہن میں ایک بات نہیں ہے، آپ نے اپنی سفارش کے ذریعے یہ توجہ دلادی کہ یہ بھی ایک موقع ہے۔ اگر تم کرنا چاہو تو کرلو، سفارش کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس پر دباؤ اور پریشر ڈالا جائے کہ وہ یہ کام ضرور کرلے، اس لئے کہ ہر انسان کے اپنے کچھ حالات ہوتے ہیں، اور اس کے کچھ قواعد اور ضوابط اور اصول ہوتے ہیں، اور وہ آدمی ان اصولوں کے تحت رہ کر کام کرنا چاہتا ہے۔ اب آپ نے سفارش کر کے اس پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا، اور دباؤ ڈال کر اس سے کام کرانا چاہا، تو یہ سفارش نہیں، زبردستی ہے، اور کسی بھی مسلمان کے اوپر زبردستی کرنا جائز نہیں، اس کا عام طور پر لوگ خیال نہیں کرتے۔

ایسے آدمی کی سفارش لے کر جائیں گے جس کے بارے میں یہ خیال ہو کہ جب اس کی سفارش جائے گی تو وہ انکار نہ کر سکے گا، یہ تو دباؤ ڈالا جارہا ہے، اور شخصیت کا وزن ڈالا جارہا ہے۔ یہ سفارش نہیں ہے۔

یہ تو دباؤ ڈالنا ہے

کئی لوگ میرے پاس بھی سفارش کرانے آجاتے ہیں، ایک صاحب آئے، اور آکر کہا کہ حضرت! آپ سے ایک کام کے لئے کہنا ہے، لیکن پہلے یہ بتایئے کہ آپ انکار تو نہیں کریں گے؟ گویا اس کا قرار پہلے لینا چاہتے ہیں کہ انکار مت

کیجئے گا، میں نے کہا: بھائی! پہلے یہ بتاؤ تو سہی کہ کیا کام ہے؟ وہ کام میری قدرت میں ہے یا نہیں؟ میری استطاعت میں ہے یا نہیں؟ میں اس کو کر سکوں گا یا نہیں؟ جائز ہو گا یا ناجائز ہو گا؟ پہلے یہ بتاؤ تو سہی۔ لیکن پہلے یہ اقرار لینا چاہتے ہیں کہ آپ پہلے یہ طے کرلیں کہ اس کام کو ضرور کریں گے۔ یہ سفارش نہیں ہے۔ بلکہ یہ دباؤ ڈالنا ہے۔ جو جائز نہیں۔

سفارش کے بارے حضرت حکیم الامت" کا فرمان

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ ــــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ــــ حقیقت یہ ہے کہ دین کی صحیح فہم اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی، اور دین کے مخفی گوشوں کو انہوں نے جس طرح آشکارہ فرمایا، اور ملفوظات میں جگہ جگہ اس پر تنبیہ فرمائی۔ فرماتے ہیں کہ سفارش اس طرح نہ کراؤ جس سے دوسرا آدمی مغلوب ہو جائے۔ جس سے دباؤ پڑے، یہ سفارش جائز نہیں، اس لئے کہ سفارش کی حقیقت "توجہ دلانا" ہے کہ میرے نزدیک یہ شخص حاجت مند ہے، اور میں آپ کو متوجہ کر رہا ہوں کہ یہ اچھا مصرف ہے۔ اس پر اگر آپ کچھ خرچ کر دیں گے تو انشاء اللہ اجر و ثواب ہو گا۔ یہ نہیں کہ اس کام کو ضرور کرو، اگر تم نہیں کرو گے تو میں ناراض ہو جاؤں گا، خفا ہو جاؤں گا، یہ سفارش نہیں ہے۔ یہ دباؤ ہے۔

مجمع میں چندہ کرنا درست نہیں

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے یہی بات چندہ کے بارے میں بیان فرمائی کہ اگر مجمع کے اندر چندہ کا اعلان کر دیا کہ فلاں کام کے لئے چندہ ہو رہا ہے۔ چندہ دیں۔ اب جناب! جس شخص کا چندہ دینے کا دل بھی نہیں چاہ رہا ہے، اب اس نے دوسروں کو دیکھ کر شرما شرمی میں چندہ دے دیا، اور یہ سوچا کہ اگر نہیں دیا تو ناک کٹ جائے گی۔ تو چونکہ وہ چندہ اس نے خوش دلی سے نہیں دیا، اور حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"لا یحل مال امرائٍ مسلم الا بطیب نفس منہ"

"کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں"

(مجمع الزوائد، ص ۱۷۲، ج ۴۔ بحوالہ مسند ابو یعلی)

اگر کسی نے زبان سے مال لینے کی اجازت بھی دے دی ہو، لیکن وہ مال اس نے خوش دلی سے نہیں دیا تو وہ حلال نہیں۔ لہٰذا اس طریقے سے چندہ کرنا جائز نہیں۔

مدرسہ کے مہتمم کا خود چندہ کرنا

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات چندہ وصول کرنے کے لئے کسی بڑے مولانا صاحب کو ساتھ لے گئے۔ یا کوئی بڑے مولانا صاحب یا مدرسہ کے مہتمم خود چندہ وصول کرنے کسی کے پاس چلے گئے۔ تو ان کا خود چلا جانا بذات خود ایک دباؤ ہے، کیونکہ سامنے والا شخص یہ خیال کرے گا کہ یہ تو بڑے مولانا صاحب خود آئے ہوئے ہیں۔ اب میں ان کو کیسے انکار کروں۔ اور چنانچہ دل نہ چاہنے کے باوجود اس کو چندہ دیا۔ یہ چندہ وصول کرنا جائز نہیں۔

سفارش کے الفاظ کیا ہوں؟

یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ سفارش کا انداز دباؤ ڈالنے والا نہ ہو۔ اسی لئے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ جب کسی کے نام سفارش لکھتے تو اکثر و بیشتر یہ الفاظ لکھتے کہ "میرے خیال میں یہ صاحب اس کام کے لئے موزوں ہیں، اگر آپ کے اختیار میں ہو، اور آپ کی مصلحت اور اصول کے خلاف نہ ہو تو ان کا کام کر دیجئے" اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی الفاظ میں سفارش لکھتے تھے۔

دو چار مرتبہ ہمیں بھی سفارش لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو چونکہ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ سے یہ بات سنی ہوئی تھی۔ اور حضرت تھانوی" کے مواعظ بھی دیکھے ہوئے تھے، اس لئے میں نے بھی وہی جملے سفارش کے اندر لکھ دیئے کہ "اگر یہ کام آپ کے اختیار میں ہو، اور آپ کی مصلحت اور اصول کے خلاف نہ ہو تو ان کا یہ کام کر دیجئے" نتیجہ یہ ہوا کہ جن صاحب کی سفارش لکھی تھی وہ ناراض ہو گئے۔ "اور کہنے لگے کہ" یہ آپ نے قیدیں اور شرطیں کیوں لگا دیں کہ اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو کر دیجئے۔ آپ کو تو سیدھا سادہ لکھنا چاہئے تھا کہ "یہ کام ضرور کر دیجئے" ان الفاظ کے بغیر تو یہ سفارش نامکمل ہے۔

سفارش میں دونوں طرف کی رعایت

لیکن جس شخص کو دونوں طرف کی رعایت کرنی مقصود ہے۔ ایک طرف اس کو جائز حدود میں رہتے ہوئے حاجت مند کی مدد بھی مقصود ہے۔ اور دوسری طرف اس کی بھی رعایت کرنی ہے جس کے پاس سفارش کی گئی ہے، اور اس پر بھی بوجھ نہیں ڈالنا کہ کہیں وہ یہ خیال نہ کرے کہ صاحب! اتنے بڑے صاحب کا پرچہ آگیا ہے۔ اب میرے لئے اس کا ٹالنا ممکن نہیں۔ اگرچہ یہ کام میری مصلحت کے خلاف، میرے اصول کے خلاف، اور میرے قواعد و ضوابط کے خلاف ہے۔ لیکن چونکہ اتنے بڑے آدمی کا پرچہ آگیا ہے اب میں کیا کروں؟ لہٰذا اب وہ کشمکش اور مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ اگر سفارش کے مطابق عمل کیا تو اپنے قواعد اور اصول کے خلاف کیا، اور اگر سفارش کے مطابق عمل نہ کیا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ اتنے بڑے صاحب ناراض ہو جائیں گے۔ اور پھر ان کو کیا منہ دکھاؤں گا، وہ کہیں گے کہ میں نے ایک ذرا سے کام کی سفارش کی تھی، اور آپ نے اس کو پورا نہیں کیا۔ یہ سب سفارش کے اصول کے خلاف ہیں

سفارش معاشرے میں ایک لعنت

اور اسی وجہ آج سفارش معاشرے میں ایک لعنت بن گئی ہے آج کوئی کام ناجائز سفارش کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ سفارش کے احکام لوگوں نے بھلا دیئے ہیں۔ شریعت کے تقاضوں کو فراموش کر دیا ہے۔ لہٰذا جب ان رعایتوں کے ساتھ سفارش کی جائے گی تب جائز ہوگی۔

سفارش ایک مشورہ ہے

تیسری بات یہ ہے کہ سفارش ایک مشورہ بھی ہے، دباؤ ڈالنا نہیں ہے۔ آج کل لوگ مشورہ کو نہیں سمجھتے کہ مشورہ کیا چیز ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے بارے میں فرمایا کہ:

المستشار مؤتمن

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی المشورۃ حدیث نمبر ۵۱۲۸)

جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے۔ یعنی اس کا فرض ہے کہ اپنی دیانت اور امانت کے لحاظ سے جس بات کو بہتر سے بہتر سمجھتا ہو، وہ مشورہ لینے والے کو بتادے، یہ ہے مشورہ کا حق، اور پھر جس کو مشورہ دیا گیا ہے، وہ اس بات کا پابند نہیں ہے کہ آپ کے مشورے کو ضرور قبول کرے، اگر وہ رد بھی کر دے تو اس کو اختیار ہے، کیونکہ مشورہ کے معنی بھی یہی ہیں کہ دوسرے کو توجہ دلا دینا۔ اسی حدیث میں آپ نے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ سے سفارش کرو، اور یہ ضروری نہیں کہ میں تمہاری سفارش قبول بھی کرلوں، بلکہ فیصلہ میں وہی کروں گا جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر سفارش کے خلاف بھی عمل کر لیا جائے تو اس سے سفارش کی ناقدری نہیں ہوتی، آج لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب! ہم نے سفارش بھی کی، اور بات کہہ کر کھوئی، اور فائدہ کچھ حاصل نہ ہوا۔ حقیقت میں یہ بات نہیں۔ اس لئے کہ سفارش کا

مقصد تو صرف یہ تھا کہ ایک بھائی کی مدد میں میرا حصہ لگ جائے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے۔ اب وہ مقصد حاصل ہو گیا یا نہیں؟ کام ہوا یا نہیں؟ یہ سفارش کالازمی حصہ نہیں، اگر کام نہیں ہوا، اور اس نے آپ کی سفارش نہیں مانی، تو اس کی وجہ سے کوئی جھگڑا اور ناراضگی نہیں ہونی چاہئے۔ اور اس کو برا ماننا بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ مشورہ تھا۔ اور مشورہ کے اندر دونوں باتیں ہوتی ہیں۔

حضرت بریرہؓ اور حضرت مغیثؓ کا واقعہ

اب سنئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کی کیا حقیقت بیان فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی زندگی کے متعلق باریک باریک باتیں تفصیل سے بیان فرمادیں۔ اب یہ بتائیے کہ اس دنیا میں، بلکہ پوری کائنات میں کس شخص کا مشورہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے سے زیادہ قابل احترام اور قابل تعمیل ہو سکتا ہے؟ لیکن واقعہ سنئے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک کنیز تھیں، جن کا نام حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا تھا، پہلے یہ کسی اور کی کنیز تھیں، اور اس نے ان کا نکاح حضرت مغیث سے کر دیا تھا...... اور چونکہ اصول یہ ہے کہ اگر آقا اپنی باندی کی کسی سے شادی کر دے تو آقا کو اپنی باندی سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ وہ آقا کی ملکیت ہوتی ہے، اس واسطے اس سے اجازت بھی نہیں لی جاتی، بلکہ آقا جس سے چاہے۔ اس کا نکاح کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے آقا نے حضرت مغیثؓ سے کر دیا۔ اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہ صورت شکل کے اعتبار سے کوئی پسندیدہ شخصیت نہیں تھے، بلکہ سیاہ فام تھے، اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا حسین وجمیل خاتون تھیں، اس حالت میں ان کا نکاح ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ ان کو خرید کر آزاد کر دیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خریدا، اور پھر آزاد کر دیا۔

باندی کو فسخ نکاح کا اختیار

شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی کنیز آزاد ہو جائے اور اس کا نکاح پہلے سے کسی کے ساتھ ہو چکا ہو۔ تو آزادی کے وقت اس کنیز کو یہ اختیار ملتا ہے کہ چاہے تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ نکاح کو برقرار رکھے، اور اگر چاہے تو اس نکاح کو ختم کر دے۔ اور فسخ کر دے، اور پھر کسی اور سے نکاح کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ

جب حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آزاد ہوئیں تو شریعت کے قاعدہ کے مطابق ان کو بھی فسخ نکاح کا اختیار مل گیا، اور ان سے کہا گیا کہ اگر تم چاہو تو مغیث سے اپنا نکاح برقرار رکھو، اور چاہو تو اس نکاح کو ختم کر دو۔ انہوں نے فوراً یہ کہہ دیا کہ میں مغیث کے ساتھ نہیں رہتی، اور اپنے نکاح کو فسخ کر دیا، اب چونکہ حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان سے بہت محبت تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ منظر اب تک مجھے نہیں بھولتا کہ حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کی گلیوں میں اس طرح گھوم رہے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسوں بہہ رہے ہیں۔ اور ان آنسوؤں سے داڑھی بھیگ رہی ہے۔ حضرت بریرہ کی خوشامد کر رہے ہیں، اور ان کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ خدا کے لئے اپنے اس فیصلے کو تبدیل کر لو، اور دوبارہ مجھ سے نکاح کر لو، مگر حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مانتی نہیں تھیں۔ آخر کار حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایسا قصہ پیش آیا ہے، چونکہ مجھے ان سے بہت تعلق ہے۔ اور اتنا عرصہ ساتھ گزرا ہے۔ اب وہ میری بات نہیں مانتیں۔ لہٰذا اب آپ ہی ان سے میری کچھ سفارش فرما دیجئے۔ چنانچہ آپ نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو

بلایا، اور فرمایا کہ:

لو راجعتیه، فانه ابو ولدك

(ابن ماجہ کتاب الطلاق، باب خیار الامۃ اذا اعتقت، حدیث نمبر ۲۰۸۵)

اگر تم اپنے اس فیصلے سے رجوع کر لو تو اچھا ہو، اس لئے کہ وہ تمہارے بچے کے باپ ہیں بچارے اتنے پریشان ہیں۔ سبحان اللہ! حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً سوال کیا۔ یا رسول اللہ! آپ یہ فرما رہے ہیں کہ رجوع کر لو، یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ اگر آپ کی طرف سے یہ حکم ہے تو بیشک سر تسلیم خم ہے۔ اور میں ان کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کو تیار ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما اشفع

میں یہ صرف سفارش کر رہا ہوں ـــــ یہ میرا حکم نہیں ہے، جب حضرت بریرہ نے یہ سنا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ صرف سفارش اور مشورہ ہے، تو فوراً فرمایا کہ: یا رسول اللہ! اگر یہ مشورہ ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے آزادی ہے کہ قبول کروں یا نہ کروں۔ لہٰذا میرا فیصلہ یہی ہے کہ اب میں دوبارہ ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔ چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوبارہ ان کے پاس نہیں گئیں۔ اور ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ایک خاتون نے حضور کا مشورہ رد کر دیا۔

اب آپ اندازہ لگایئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ ہے۔ اور آپ کی سفارش ہے۔ لیکن ایک عورت، جو اب تک کنیز تھی، اور آپ کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے صدقہ سے آزاد ہوئیں، اس کو بھی یہ حق دیا جا رہا ہے کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں۔ وہ مشورہ ہے، تمہارا دل چاہے تو مانو۔ اور تمہارے دل نہ چاہے تو نہ مانو، اور رد کر دو، چنانچہ وہ مشورہ ان خاتون نے رد کر دیا۔ اور اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ادنیٰ سی ناگواری کا اظہار بھی نہیں

فرمایا کہ ہم نے تم کو ایک مشورہ دیا تھا۔ لیکن تم نے ہماری بات نہیں مانی۔ اس کے ذریعہ آپ نے امت کو تعلیم دے دی کہ مشورہ اور سفارش یہ ہے کہ جس کو مشورہ دیا گیا ہے، یا جس سے سفارش کی گئی ہے بس اس کو توجہ دلانا مقصود ہے، دباؤ ڈالنا مقصود نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں مشورہ دیا؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ نکاح خود ختم کر دیا، اور وہ ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں تو پھر آپ نے سفارش ہی کیوں کی؟

آپ نے سفارش اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ حضرت مغیث کے اندر سوائے شکل و صورت کے کوئی خرابی نہیں ہے۔ اگر یہ ان کی بات مان لے گی۔ اور دوبارہ ان کے نکاح میں آجائے گی تو ان کو اجر و ثواب بہت ہو گا۔ اس لئے کہ اس نے اللہ کے ایک بندے کی خواہش کو پورا کیا۔ اور اس واسطے آپ نے سفارش بھی کر دی۔ لیکن جب انہوں نے سفارش کو قبول نہیں کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادنیٰ ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔

امت کو سبق دے دیا

لہٰذا آپ نے قیامت تک آنے والی امت کو یہ سبق دے دیا کہ مشورہ کو کبھی بھی یہ نہ سمجھو کہ یہ دباؤ ڈالا جا رہا ہے، یا لازمی کیا جا رہا ہے۔ بلکہ مشورہ کا حاصل صرف توجہ دلانا ہے۔ اب اس کو اختیار ہے، چاہے وہ اس پر عمل کرے، چاہے نہ کرے۔

سفارش ناگواری کا ذریعہ کیوں ہے؟

آج ہمارے اندر سفارش اور مشورہ باقاعدہ ناگواری کا ذریعہ بن گئیں ہیں۔ اگر کسی کے مشورہ کو قبول نہ کیا جائے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ ہم نے تو بھائی ایسا

مشورہ دیا تھا۔ لیکن ہماری بات نہیں چلی، ہماری بات نہیں مانی گئی۔ اس پر ناراض کی ہو رہی ہے۔ خفا ہو رہے ہیں۔ برا منایا جا رہا ہے۔ اور یہ سوچا جا رہا ہے کہ اب آئندہ ان سے رابطہ نہیں رکھیں گے۔ اس لئے کہ یہ ہماری بات تو مانتے ہی نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ سفارش کا یہ مطلب نہیں ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں بیان فرمادیں کہ سفارش کرو، اجر ملے گا۔ لیکن اگر سفارش قبول نہ کی جائے تو تمہارے دل میں اس کے خلاف کوئی ناراضگی اور بد دلی نہیں پیدا ہونی چاہئے کہ اس نے ہماری بات نہیں مانی۔ ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر سفارش کی جائے گی وہ انشاء اللہ بڑے اجر و ثواب کا موجب ہوگی۔

خلاصہ

ایک مرتبہ پھر خلاصہ عرض کر دیتا ہوں کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ سفارش ان معاملات میں کریں جن میں سفارش کرنا جائز ہے۔ جہاں سفارش کرنا جائز نہیں، جیسے مقدمات ہیں، یا امتحانی پرچوں کی جانچ کا معاملہ ہے، ان جگہوں پر سفارش کرنا بھی جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ سفارش جائز کام کی ہو، ناجائز کام کی نہ ہو، تیسرے یہ کہ سفارش کا انداز مشورے کا ہو، دباؤ ڈالنے کا نہ ہو، چوتھے اگر مشورہ اور سفارش نہ مانی جائے تو اس پر کوئی ناراضگی اور ناگواری نہ ہونی چاہئے۔ ان چار چیزوں کی رعایت کے ساتھ اگر سفارش کی جائے گی تو سفارش کی وجہ سے کوئی فساد برپا نہیں ہو سکتا۔ اور وہ سفارش اجر و ثواب کا سبب ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس کی سمجھ عطا فرمائے۔ آمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

روزہ

ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

روزے کے معنی یہ ہیں کہ کھانے پینے سے اجتناب کرنا اور نفسانی خواہشات کی تکمیل سے اجتناب کرنا، روزے میں ان تینوں چیزوں سے اجتناب ضروری ہے اب یہ دیکھیں کہ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ جو فی نفسہ حلال ہیں، کھانا حلال پینا حلال اور جائز طریقے سے زوجین کا نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا حلال، اب روزے کے دوران آپ ان حلال چیزوں سے تو پرہیز کر رہے ہیں۔ نہ کھا رہے ہیں اور نہ پی رہے ہیں لیکن جو چیزیں پہلے سے حرام تھیں مثلاً جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، بدنگاہی کرنا جو ہر حال میں حرام تھیں۔ روزے میں یہ سب چیزیں ہو رہی ہیں اب روزہ رکھا ہوا ہے اور بدنگاہی کر رہے ہیں اور روزہ رکھا ہوا ہے لیکن وقت پاس کرنے کے لئے گندی گندی فلمیں دیکھ رہے ہیں، یہ کیا یہ روزہ ہوا۔

روزہ
ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له - واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا وسندنا ونبينا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيرا - اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم. شهر رمضان الذي انزل فيه القران هدى للناس وبينات من الهدى والفرقان، فمن شهد منكم الشهر فليصمه.

(سورة بقرة: ۱۸۵)

امنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم ونحن على ذالك من الشهدين والشكرين والحمد لله رب العالمين -

برکت والا مہینہ

انشاء اللہ چند روز کے بعد رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے والا ہے، اور کون مسلمان ایسا ہو گا جو اس مہینے کی عظمت اور برکت سے واقف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ اپنی عبادت کے لئے بنایا ہے۔ اور نہ معلوم کیا کیا رحمتیں اللہ تعالیٰ اس مہینے میں اپنے بندوں کی طرف مبذول فرماتے ہیں۔ ہم اور آپ ان رحمتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اس مہینے کے اندر بعض اعمال ایسے ہیں۔ جن کو ہر مسلمان جانتا ہے۔ اور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ مثلاً اس ماہ میں روزے فرض ہیں۔ الحمد للہ۔ مسلمانوں کو روزہ رکھنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ اور تراویح کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ سنت ہے، اور مسلمانوں کو اس میں شرکت کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے، لیکن اس وقت ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ رمضان المبارک کی خصوصیت صرف یہ ہے کہ اس میں روزے رکھے جاتے ہیں۔ اور رات کے وقت تراویح پڑھی جاتی ہے۔ اور بس، اس کے علاوہ اور کوئی خصوصیت نہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ یہ دونوں عبادتیں اس مہینے کی بڑی اہم عبادات میں سے ہیں۔ لیکن بات صرف یہاں تک ختم نہیں ہوتی، بلکہ در حقیقت رمضان المبارک ہم سے اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

(سورۃ الذاریات: ۵۶)

یعنی میں نے جنات اور انسانوں کو صرف ایک کام کے لئے پیدا کیا، وہ یہ کہ میری عبادت کریں، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد یہ بتایا کہ وہ اللہ کی عبادت کرے۔

"کیا فرشتے کافی نہیں تھے؟"

یہاں بعض لوگوں کو خاص کر نئی روشنی کے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت تھا، تو اس کام کے لئے انسان کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ کام تو فرشتے پہلے سے بہت اچھی طرح انجام دے رہے تھے؟ اور وہ اللہ کی عبادت تسبیح اور تقدیس میں لگے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمانے کا ارادہ کیا اور فرشتوں کو بتایا کہ میں اس طرح کا ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں تو فرشتوں نے بیساختہ یہ کہا کہ آپ ایک ایسے انسان کو پیدا کر رہے ہیں۔ جو زمین میں فساد مچائے گا۔ اور خون ریزی کرے گا، اور عبادت، تسبیح و تقدیس ہم انجام دے رہے ہیں ــــ اسی طرح آج بھی اعتراض کرنے والے یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ اگر انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت ہوتا تو اسکے لئے انسان کو پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ کام تو فرشتے پہلے ہی انجام دے رہے تھے۔

فرشتوں کا کوئی کمال نہیں

بیشک اللہ تعالیٰ کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے تھے۔ لیکن ان کی عبادت بالکل مختلف نوعیت کی تھی۔ اور انسان کے سپرد جو عبادت کی گئی وہ بالکل مختلف نوعیت کی تھی۔ اس لئے کہ فرشتے جو عبادت کر رہے تھے۔ ان کے مزاج میں اس کے خلاف کرنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ وہ اگر چاہیں کہ عبادت نہ کریں تو ان کے اندر عبادت چھوڑنے کی صلاحیت نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر سے گناہ کرنے کا امکان ہی ختم فرما دیا اور نہ انہیں بھوک لگتی ہے، نہ ان کو پیاس لگتی ہے، اور نہ ان کے اندر شہوانی تقاضہ پیدا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے دل میں گناہ کا وسوسہ بھی نہیں گزرتا، گناہ کی خواہش اور گناہ پر اقدام تو دور کی بات ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت پر کوئی اجر و ثواب بھی نہیں رکھا۔ کیونکہ اگر فرشتے گناہ

نہیں کر رہے ہیں تو اس میں ان کا کوئی کمال نہیں۔ اور جب کوئی کمال نہیں تو پھر جنت والا اجر و ثواب بھی مرتب نہیں ہو گا۔

نابینا کا بچنا کمال نہیں

مثلاً ایک شخص بینائی سے محروم ہے، جس کی وجہ سے ساری عمر اس نے نہ کبھی فلم دیکھی، نہ کبھی ٹی وی دیکھا۔ اور نہ کبھی غیر محرم پر نگاہ ڈالی۔ بتایئے کہ ان گناہوں کے نہ کرنے میں اس کا کیا کمال ظاہر ہوا؟ اس لئے کہ اس کے اندر ان گناہوں کے کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ لیکن ایک دوسرا شخص جس کی بینائی بالکل ٹھیک ہے۔ جو چیز چاہے دیکھ سکتا ہے۔ لیکن دیکھنے کی صلاحیت موجود ہونے کے باوجود جب کسی غیر محرم کی طرف دیکھنے کا تقاضہ دل میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ فوراً صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے نگاہ نیچے کر لیتا ہے۔ اب بظاہر دونوں گناہوں سے بچ رہے ہیں۔ لیکن دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلا شخص بھی گناہ سے بچ رہا ہے۔ اور دوسرا شخص بھی گناہ سے بچ رہا ہے۔ لیکن پہلے شخص کا گناہ سے بچنا کوئی کمال نہیں۔ اور دوسرے شخص کا گناہ سے بچنا کمال ہے۔

یہ عبادت فرشتوں کے بس میں نہیں ہے

لہذا اگر ملائکہ صبح سے شام تک کھانا نہ کھائیں تو یہ کوئی کمال نہیں۔ اس لئے کہ انہیں بھوک ہی نہیں لگتی۔ اور انہیں کھانے کی حاجت ہی نہیں۔ لہذا ان کے نہ کھانے پر کوئی اجر ثواب بھی نہیں۔ لیکن انسان ان تمام حاجتوں کو لے کر پیدا ہوا ہے۔ لہذا کوئی انسان کتنے ہی بڑے سے بڑے مقام پر پہنچ جائے۔ حتیٰ کہ سب سے اعلیٰ مقام یعنی نبوت پر پہنچ جائے۔ تب بھی وہ کھانے پینے سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کفار نے انبیاء پر یہی اعتراض کیا کہ:

مالھٰذا الرسول یا کل الطعام و یمشی فی الاسواق

(سورۃ الفرقان: ۷)

یعنی یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا بھی کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ تو کھانے کا تقاضہ انبیاء کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ اب اگر انسان کو بھوک لگ رہی ہے۔ لیکن اللہ کے حکم کی وجہ سے کھانا نہیں کھا رہا ہے۔ تو یہ کمال کی بات ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک ایسی مخلوق پیدا کر رہا ہوں، جس کو بھوک بھی لگے گی، پیاس بھی لگے گی، اور اس کے اندر شہوانی تقاضے بھی پیدا ہوں گے۔ اور گناہ کرنے کے داعیے بھی ان کے اندر پیدا ہوں گے، لیکن جب گناہ کا داعیہ پیدا ہو گا، اس وقت وہ مجھے یاد کر لے گا۔ اور مجھے یاد کر کے اپنے نفس کو اس گناہ سے بچا لے گا۔ اس کی یہ عبادت اور گناہ سے بچنا ہمارے یہاں قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اور جس کا اجر و ثواب اور بدلہ دینے کے لئے ہم نے ایسی جنت تیار کر رکھی ہے۔ جس کی صفت عرضھا السمٰوٰت والارض ہے۔ اس لئے کہ اس کے دل میں داعیہ اور تقاضہ ہو رہا ہے، اور خواہشات پیدا ہو رہی ہیں۔ اور گناہ کے محرکات سامنے آ رہے ہیں۔ لیکن یہ انسان ہمارے خوف اور ہماری عظمت کے تصور سے اپنی آنکھ کو گناہ سے بچا لیتا ہے۔ اپنے کان کو گناہ سے بچا لیتا ہے۔ اپنی زبان کو گناہ سے بچا لیتا ہے۔ اور گناہوں کی طرف اٹھتے ہوئے قدموں کو روک لیتا ہے۔ تاکہ میرا اللہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ یہ عبادت فرشتوں کے بس میں نہیں تھی۔ اس عبادت کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کمال

حضرت یوسف علیہ السلام کو جو فتنہ زلیخا کے مقابلے میں پیش آیا۔ کون مسلمان ایسا ہے جو اس کو نہیں جانتا۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی۔ اس وقت زلیخا کے دل میں بھی گناہ کا خیال پیدا ہوا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی گناہ کا خیال آ گیا۔ عام لوگ

تو اس سے حضرت یوسف علیہ السلام پر اعتراض اور ان کی تنقیص بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم یہ بتلانا چاہتا ہے کہ گناہ کا خیال آجانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خوف اور ان کی عظمت کے استحضار سے اس گناہ کے خیال پر عمل نہیں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر لیا۔ لیکن اگر گناہ کا خیال بھی دل میں نہ آتا۔ اور گناہ کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہوتی۔ اور گناہ کا تقاضہ ہی پیدا نہ ہوتا۔ تو پھر ہزار مرتبہ زلیخا گناہ کی دعوت دے پھر تو کمال کی تو کوئی بات نہیں تھی۔ کمال تو یہی تھا کہ گناہ کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اور ماحول بھی موجود۔ حالات بھی ساز گار، اور دل میں خیال بھی آرہا ہے۔ لیکن اُن سب چیزوں کے باوجود اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر کے فرمایا کہ "معاذ اللہ" کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ یہ عبادت ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا۔ (سورۃ یوسف: ۲۴)

ہماری جانوں کا سودا ہو چکا ہے

جب انسان کا مقصدِ تخلیق عبادت ہے تو اس کا تقاضہ یہ تھا کہ جب انسان دنیا میں آئے تو صبح سے لے کر شام تک عبادت کے علاوہ کوئی اور کام نہ کرے، اور اس کو دوسرے کام کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن کریم نے فرمایا کہ:

ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ
(سورۃ التوبہ: ۱۱۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے۔ اور اس کا معاوضہ یہ مقرر فرمایا کہ آخرت میں ان کو جنت ملے گی۔ جب ہماری جانیں بک چکی ہیں۔ تو یہ جانیں جو ہم لئے بیٹھے ہیں۔ وہ ہماری نہیں ہیں۔ بلکہ بکا ہوا مال ہے۔ اس کی قیمت لگ چکی ہے۔ جب یہ جان اپنی نہیں ہے تو اس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس جان اور جسم کو سوائے اللہ کی عبادت کے دوسرے کام میں نہ لگایا جائے۔ لہٰذا

اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تمہیں صبح سے شام تک دوسرے کام کرنے کی اجازت نہیں۔ بس صرف سجدے میں پڑے رہا کرو۔ اور اللہ اللہ کیا کرو۔ دوسرے کاموں کی اجازت نہیں۔ نہ کمانے کی اجازت ہے، نہ کھانے کی اجازت ہے۔ تو یہ حکم انصاف کے خلاف نہ ہوتا۔ اس لئے کہ پیدا ہی عبادت کے لئے کیا گیا ہے۔

ایسے خریدار پر قربان جایئے

لیکن قربان جایئے ایسے خریدار پر کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری جان و مال کو خرید بھی لیا، اور اس کی قیمت بھی پوری لگا دی۔ یعنی جنت، پھر وہ جان و مال ہمیں واپس بھی لوٹا دیا کہ یہ جان و مال تم اپنے پاس رکھ لو۔ اور ہمیں اس بات کی اجازت دے دی کہ کھاؤ، پیو، کماؤ، اور دنیا کے کاروبار کرو۔ بس پانچ وقت کی نماز پڑھ لیا کرو۔ اور فلاں فلاں چیزوں سے پرہیز کرو۔ باقی جس طرح چاہو، کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت اور عنایت ہے۔

اس ماہ میں اصل مقصد کی طرف آجاؤ

لیکن جائز کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی جانتے تھے کہ جب یہ انسان دنیا کے کاروبار اور کام دھندوں میں لگے گا تو رفتہ رفتہ اس کے دل پر غفلت کے پردے پڑ جایا کریں گے۔ اور دنیا کے کاروبار اور دھندوں میں کھو جائے گا۔ تو اس غفلت کو دور کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً کچھ اوقات مقرر فرما دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ اس لئے کہ سال کے گیارہ مہینے تو آپ تجارت میں، زراعت میں، مزدوری میں اور دنیا کے کاروبار اور دھندوں میں، کھانے کمانے اور ہنسنے بولنے میں لگے رہے۔ اور اس کے نتیجے میں دلوں پر غفلت کا پردہ پڑنے لگتا ہے۔ اس لئے ایک مہینہ اللہ تعالیٰ نے اس کام

کے لئے مقرر فرمادیا کہ اس مہینے میں تم اپنے اصل مقصد تخلیق یعنی عبادت کی طرف لوٹ کر آؤ۔ جس کے لئے تمہیں دنیا میں بھیجا گیا، اور جس کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا، اس ماہ میں اللہ کی عبادت میں لگو، اور گیارہ مہینے تک تم سے جو گناہ سرزد ہوئے ہیں، ان کو بخشواؤ، اور دل کی صلاحیتوں پر جو میل آچکا ہے۔ اس کو دھلواؤ، اور دل میں جو غفلت کے پردے پڑ چکے ہیں، ان کو اٹھواؤ۔ اس کام کے لئے ہم نے یہ مہینہ مقرر کیا ہے۔

رمضان کے معنی

لفظ "رَمْضان" میم کے سکون کے ساتھ ہم غلط استعمال کرتے ہیں۔ صحیح لفظ "رَمَضان" میم کے زبر کے ساتھ ہے۔ اور "رمضان" کے لوگوں نے بہت سے معنی بیان کئے ہیں۔ لیکن اصل عربی زبان میں "رمضان" کے معنی ہیں۔ "جھلسا دینے والا اور جلا دینے والا" اور اس ماہ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ سب سے پہلے جب اس ماہ کا نام رکھا جارہا تھا۔ اس سال یہ مہینہ شدید جھلسا دینے والی گرمی میں آیا تھا۔ اس لئے لوگوں نے اس کا نام "رمضان" رکھ دیا۔

اپنے گناہوں کو بخشوالو

لیکن علماء نے فرمایا کہ اس ماہ کو "رمضان" اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے بندوں کے گناہوں کو جھلسا دیتے ہیں۔ اور جلا دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ مقرر فرمایا۔ گیارہ مہینے دنیاوی کاروبار، دنیاوی دھندوں میں لگے رہنے کے نتیجے میں غفلتیں دل پر چھاگئیں، اور اس عرصے میں جن گناہوں اور خطاؤں کا ارتکاب ہوا، ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر انہیں بخشوالو۔ اور غفلت کے پردوں کو دل سے اٹھادو۔ تاکہ زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو جائے۔ اسی لئے قرآن کریم نے

فرمایا کہ:

یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ
عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۔
(سورۃ البقرہ : ۱۸۳)

یعنی یہ روزے تم پر اس لئے فرض کئے گئے ہیں۔ تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔ تو رمضان کے مہینے کا اصل مقصد یہ ہے کہ سال بھر کے گناہوں کو بخشوانا، اور غفلت کے حجاب دل سے اٹھانا۔ اور دلوں میں تقویٰ پیدا کرنا۔ جیسے کسی مشین کو جب کچھ عرصہ استعمال کیا جائے تو اس کے بعد اس کی سروس کرانی پڑتی ہے۔ اس کی صفائی کرانی ہوتی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی سروس اور اوور ہالنگ کے لئے یہ رمضان المبارک کا مہینہ مقرر فرمایا ہے۔ تاکہ اس مہینے میں اپنی صفائی کراؤ، اور اپنی زندگی کو ایک نئی شکل دو۔

اس ماہ کو فارغ کرلیں

لہٰذا صرف روزہ رکھنے اور تراویح پڑھنے کی حد تک بات ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس مہینے کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس مہینے میں دوسرے کاموں سے فارغ کرلے۔ اس لئے کہ گیارہ مہینے تک زندگی کے دوسرے کام دھندوں میں لگے رہے۔ لیکن یہ مہینہ انسان کے لئے اس کی اصل مقصد تخلیق کی طرف لوٹنے کا مہینہ ہے۔ اس لئے اس مہینے کے تمام اوقات، ورنہ کم از کم اکثر اوقات یا جتنا زیادہ سے زیادہ ہوسکے۔ اللہ کی عبادت میں صرف کرے۔ اور اس کے لئے انسان کو پہلے سے تیار ہونا چاہئے۔ اور اس کا پہلے سے پروگرام بنانا چاہئے۔

استقبال رمضان کا صحیح طریقہ

آج کل عالم اسلام میں ایک بات چل پڑی ہے۔ جس کی ابتداء عرب

ممالک خاص کر مصر اور شام سے ہوئی۔ اور پھر دوسرے ملکوں میں بھی رائج ہو گئی۔
اور ہمارے یہاں بھی آگئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے کچھ محفلیں منعقد ہوتی ہیں جس کا نام "محفل استقبال رمضان" رکھا جاتا ہے۔ جس میں رمضان سے ایک دو دن پہلے ایک اجتماع منعقد کیا جاتا ہے اور اس میں قرآن کریم اور تقریر اور وعظ رکھا جاتا ہے۔ جس کا مقصد لوگوں کو یہ بتلانا ہوتا ہے کہ ہم رمضان المبارک کا استقبال کر رہے ہیں اور اس کو "خوش آمدید" کہہ رہے ہیں ۔۔۔ رمضان المبارک کے استقبال کا یہ جذبہ بہت اچھا ہے، لیکن یہی اچھا جذبہ جب آگے بڑھتا ہے تو کچھ عرصہ کے بعد بدعت کی شکل اختیار کر لیتا ہے، چنانچہ بعض جگہوں پر اس استقبال کی محفل نے بدعت کی شکل اختیار کر لی ۔۔۔ لیکن رمضان المبارک کا اصل استقبال یہ ہے کہ رمضان آنے سے پہلے اپنے نظام الاوقات بدل کر ایسا بنانے کی کوشش کرو کہ اس میں زیادہ سے زیادہ وقت اللہ جل شانہ کی عبادت میں صرف ہو، رمضان کا مہینہ آنے سے پہلے یہ سوچو کہ یہ مہینہ آرہا ہے، کس طرح میں اپنی مصروفیات کم کر سکتا ہوں۔ اس مہینے میں اگر کوئی شخص اپنے آپ کو بالکلیہ عبادت کے لئے فارغ کر لے تو سبحان اللہ، اور اگر کوئی شخص بالکلیہ اپنے آپ کو فارغ نہیں کر سکتا تو پھر یہ دیکھئے کہ کون کون سے کام ایک ماہ کے لئے چھوڑ سکتا ہوں، ان کو چھوڑے۔ اور کن مصروفیات کو کم کر سکتا ہوں، ان کو کم کرے، اور جن کاموں کو رمضان کے بعد تک مؤخر کر سکتا ہے۔ ان کو مؤخر کرے۔ اور رمضان کے زیادہ سے زیادہ اوقات کو عبادت میں لگانے کی فکر کرے۔ میرے نزدیک استقبال رمضان کا صحیح طریقہ یہی ہے۔ اگر یہ کام کر لیا تو انشاء اللہ رمضان المبارک کی صحیح روح اور اس کے انوار و برکات حاصل ہوں گے، ۔۔۔ ورنہ یہ ہو گا کہ رمضان المبارک آئے گا اور چلا جائے گا۔ اور اس سے صحیح طور پر فائدہ ہم نہیں اٹھا سکیں گے۔

روزہ اور تراویح سے ایک قدم آگے

جب رمضان المبارک کو دوسرے مشاغل سے فارغ کر لیا، تو اب اس فارغ وقت کو کس کام میں صرف کرے؟ جہاں تک روزوں کا تعلق ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ روزہ رکھنا فرض ہے۔ اور جہاں تک تراویح کا معاملہ ہے۔ اس سے بھی ہر شخص واقف ہے۔ لیکن ایک پہلو کی طرف خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

وہ یہ کہ الحمد للہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے، اس کے دل میں رمضان المبارک کا ایک احترام اور اس کا تقدس ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس ماہ مبارک میں اللہ کی عبادت کچھ زیادہ کرے۔ اور کچھ نوافل زیادہ پڑھے۔ جو لوگ عام دنوں میں پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں آنے سے کتراتے ہیں۔ وہ لوگ بھی تراویح جیسی لمبی نماز میں بھی روزانہ شریک ہوتے ہیں۔ یہ سب الحمد للہ اس ماہ کی برکت ہے کہ لوگ عبادت میں، نماز میں، ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے ہیں۔

ایک مہینہ اس طرح گزار لو

لیکن ان سب نفلی نمازوں، نفلی عبادات، نفلی ذکر و اذکار، اور نفلی تلاوت قرآن کریم سے زیادہ مقدم ایک اور چیز ہے۔ جس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس مہینے کو گناہوں سے پاک کر کے گزارنا کہ اس ماہ میں ہم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔ اس مبارک مہینے میں آنکھ نہ بہکے، نظر غلط جگہ پر نہ پڑے، کان غلط چیز نہ سنیں۔ زبان سے کوئی غلط کلمہ نہ نکلے۔ اور اللہ تبارک کی معصیت سے مکمل اجتناب ہو، یہ مبارک مہینہ اگر اس طرح گزار لیا۔ پھر چاہے ایک نفلی رکعت نہ پڑھی ہو۔ اور تلاوت زیادہ نہ کی ہو۔ اور نہ ذکر و اذکار کیا ہو۔ لیکن گناہوں سے بچتے ہوئے اللہ کی معصیت اور نافرمانی سے بچتے ہوئے یہ مہینہ گزار دیا تو آپ قابل مبارک باد ہیں۔ اور یہ مہینہ آپ کے لئے مبارک ہے۔ گیارہ مہینے

تک ہر قسم کے کام میں جتلا رہتے ہیں۔ اور یہ اللہ تبارک کا ایک مہینہ آرہا ہے۔ کم از کم اس کو تو گناہوں سے پاک کر لو۔ اس میں تو اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔ اس میں تو کم از کم جھوٹ نہ بولو۔ اس میں تو غیبت نہ کرو۔ اس میں تو بد نگاہی کے اندر مبتلا نہ ہو۔ اس مبارک مہینے میں تو کانوں کو غلط جگہ پر استعمال نہ کرو۔ اس میں تو رشوت نہ کھاؤ، اس میں سود نہ کھاؤ، کم از کم یہ ایک مہینہ اس طرح گزار لو۔

یہ کیسا روزہ ہوا؟

اس لئے کہ آپ روزے تو ماشاء اللہ بڑے ذوق و شوق سے رکھ رہے ہیں، لیکن روزے کے کیا معنی ہیں؟ روزے کے معنی یہ ہیں کہ کھانے سے اجتناب کرنا، پینے سے اجتناب اور نفسانی خواہشات کی تکمیل سے اجتناب کرنا، روزے میں ان تینوں چیزوں سے اجتناب ضروری ہے۔ اب یہ دیکھیں کہ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جو فی نفسہ حلال ہیں، کھانا حلال، پینا حلال اور جائز طریقے سے زوجین کا نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا حلال، اب روزے کے دوران آپ ان حلال چیزوں سے تو پرہیز کر رہے ہیں۔ نہ کھا رہے ہیں۔ اور نہ پی رہے ہیں۔ لیکن جو چیزیں پہلے سے حرام تھیں، مثلاً جھوٹ بولنا۔ غیبت کرنا، بد نگاہی کرنا، جو ہر حال میں حرام تھیں۔ روزے میں یہ سب چیزیں ہو رہی ہیں۔ اب روزہ رکھا ہوا ہے۔ اور جھوٹ بول رہے ہیں۔ روزہ رکھا ہوا ہے اور غیبت کر رہے ہیں۔ روزہ رکھا ہوا ہے۔ اور بد نگاہی کر رہے ہیں، اور روزہ رکھا ہوا ہے۔ لیکن وقت پاس کرنے کے لئے گندی گندی فلمیں دیکھ رہے ہیں، یہ کیا روزہ ہوا؟ کہ حلال چیز تو چھوڑ دی اور حرام چیز نہیں چھوڑی۔ اس لئے حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا نہ چھوڑے تو مجھے اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اس لئے جب جھوٹ بولنا نہیں چھوڑا جو پہلے سے حرام تھا۔ تو کھانا چھوڑ کر اس نے کونسا بڑا عمل

کیا۔

روزہ کا ثواب ملیامیٹ ہو گیا

اگرچہ فقہی اعتبار سے روزہ درست ہو گیا۔ اگر کسی مفتی سے پوچھو گے کہ میں نے روزہ بھی رکھا تھا۔ اور جھوٹ بھی بولا تھا۔ تو وہ مفتی یہی جواب دے گا کہ روزہ درست ہو گیا۔ اس کی قضا واجب نہیں۔ لیکن اس کی قضا واجب نہ ہونے کے باوجود اس روزے کا ثواب اور برکات ملیامیٹ ہو گئیں، اس واسطے کہ تم نے اس روزے کی روح حاصل نہیں کی۔

روزہ کا مقصد تقویٰ کی شمع روشن کرنا

میں نے آپ کے سامنے جو یہ آیت تلاوت کی کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے پچھلی امتوں پر فرض کئے گئے۔ کیوں روزے فرض کئے گئے؟ تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو، یعنی روزہ اصل میں اس لئے تمہارے ذمہ مشروع کیا گیا، تاکہ اس کے ذریعہ تمہارے دل میں تقویٰ کی شمع روشن ہو۔ روزے سے تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

روزہ تقوے کی سیڑھی ہے

بعض علماء کرام نے فرمایا کہ روزے سے تقویٰ اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ روزہ انسان کی قوت حیوانیہ اور قوت بہیمیہ کو توڑتا ہے، جب آدمی بھوکا رہے گا تو اس کی وجہ سے اس کی حیوانی خواہشات اور حیوانی تقاضے کچلے جائیں گے۔ جس کے نتیجے میں گناہوں پر اقدام کرنے کا داعیہ اور جذبہ سست پڑ جائے گا۔

لیکن ہمارے حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ ـــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ـــ نے فرمایا کہ صرف قوت بہیمیہ توڑنے کی بات نہیں ہے، بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ جب آدمی صحیح طریقے سے روزہ رکھے گا تو یہ روزہ خود تقویٰ کی ایک عظیم الشان سیڑھی ہے۔ اس لئے کہ تقویٰ کے کیا معنی ہیں؟ تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے عظمت کے استحضار سے اس کے گناہوں سے بچنا، یعنی یہ سوچ کر کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر مجھے جواب دینا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اس تصور کے بعد جب انسان گناہوں کو چھوڑتا ہے تو اسی کا نام تقویٰ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى

(سورۃ النازعات: ۴۰)

یعنی جو شخص اس بات سے ڈرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ اور کھڑا ہونا ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو ہوائے نفس اور خواہشات سے روکتا ہے، یہی تقویٰ ہے۔

میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے

لہذا "روزہ" حصول تقویٰ کے لئے بہترین ٹریننگ اور بہترین تربیت ہے، جب روزہ رکھ لیا تو آدمی پھر کیسا ہی گنہگار، خطاکار اور فاسق وفاجر ہو، جیسا بھی ہو، لیکن روزہ رکھنے کے بعد اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سخت گرمی کا دن ہے۔ اور سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔ اور کمرہ میں اکیلا ہے۔ کوئی دوسرا پاس موجود نہیں، اور دروازے پر کنڈی لگی ہوئی ہے۔ اور کمرہ میں فرج موجود ہے، اور اس فرج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے۔ اس وقت انسان کا نفس یہ تقاضہ کرتا ہے کہ اس شدید گرمی کے عالم میں ٹھنڈا پانی پی لوں، لیکن کیا وہ شخص فرج سے ٹھنڈا پانی نکال کر پی لے گا؟ ہر

گز نہیں پیئے گا۔ حالانکہ اگر وہ پانی پی لے تو کسی بھی انسان کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔ کوئی لعنت اور ملامت کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور دنیا والوں کے سامنے وہ روزہ دار ہی رہے گا، اور شام کو باہر نکل کر آرام سے لوگوں کے ساتھ افطاری کھا لے تو کسی شخص کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ اس نے روزہ توڑ دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ پانی نہیں پیتا ہے، کیوں نہیں پیتا؟ پانی نہ پینے کی اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں ہے کہ وہ یہ سوچتا ہے کہ اگرچہ کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا ہے، لیکن میرا مالک جس کے لئے میں نے روزہ رکھا ہے، وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

میں ہی اس کا بدلہ دوں گا

اسی لئے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ:

الصوم لی و انا اجزی بہ

(ترمذی، کتاب الصوم باب ماجاء فی فضل الصوم حدیث نمبر ۷۶۴)

یعنی روزہ میرے لئے ہے۔ لہٰذا میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ اور اعمال کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ کسی عمل کا دس گنا اجر، کسی عمل کا ستر گنا اجر، اور کسی عمل کا سو گنا اجر ہے۔ حتیٰ کہ صدقہ کا اجر سات سو گنا ہے، لیکن روزے کے بارے میں فرمایا کہ روزے کا اجر میں دوں گا۔ کیونکہ روزہ اس نے صرف میرے لئے رکھا تھا۔ اس لئے کہ شدید گرمی کی وجہ سے جب حلق میں کانٹے لگ رہے ہیں، اور زبان پیاس سے خشک ہے۔ اور فرج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے۔ اور تنہائی ہے۔ اور کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود میرا بندہ صرف اس لئے پانی نہیں پی رہا ہے کہ اس کے دل میں میرے سامنے کھڑا ہونے اور جواب دہی کا ڈر اور احساس ہے۔ اس احساس کا نام تقویٰ ہے۔ اگر یہ احساس پیدا ہو گیا تو تقویٰ بھی پیدا ہو گیا۔ لہٰذا تقویٰ روزے کی ایک شکل بھی ہے۔ اور اس کی حصول کی ایک سیڑھی بھی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے روزے اس لئے فرض کئے تاکہ تقویٰ کی عملی تربیت

دیں۔

ورنہ یہ تربیتی کورس مکمل نہیں ہو گا

اور جب تم روزے کے ذریعہ یہ عملی تربیت حاصل کر رہے ہو، تو پھر اس کو اور ترقی دو، اور آگے بڑھاؤ، لہٰذا جس طرح روزے کی حالت میں شدت پیاس کے باوجود پانی پینے سے رک گئے تھے، اور اللہ کے خوف سے کھانا کھانے سے رک گئے تھے، اسی طرح جب کاروبار زندگی میں نکلو، اور وہاں پر اللہ کی معصیت اور نافرمانی کا تقاضہ اور داعیہ پیدا ہو تو یہاں بھی اللہ کے خوف سے اس معصیت سے رک جاؤ، لہٰذا ایک مہینے کے لئے ہم تمہیں ایک تربیتی کورس سے گزار رہے ہیں۔ اور یہ تربیتی کورس اس وقت مکمل ہو گا جب کاروبارِ زندگی میں ہر موقع پر اس پر عمل کرو، ورنہ اس طرح یہ تربیتی کورس مکمل نہیں ہو گا کہ اللہ کے خوف سے پانی پینے سے تو رک گئے، اور جب کاروبارِ زندگی میں نکلے تو پھر آنکھ غلط جگہ پر پڑ رہی ہے۔ کان بھی غلط باتیں سن رہے ہیں۔ زبان سے بھی غلط باتیں نکل رہی ہیں۔ اس طرح تو یہ کورس مکمل نہیں ہو گا۔

روزہ کا ایئر کنڈیشنر لگا دیا، لیکن؟

جس طرح علاج ضروری ہے۔ اسی طرح پرہیز بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ اس لئے رکھوایا، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو، لیکن تقویٰ اس وقت پیدا ہو گا، جب اللہ کی نافرمانیوں اور معصیتوں سے پرہیز کرو گے۔ مثلاً کمرہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے آپ نے اس میں ایئر کنڈیشنر لگایا، اور ایئر کنڈیشنر کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ پورے کمرے کو ٹھنڈا کر دے، اب آپ نے اس کو اون کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی اس کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے کھول دیئے۔ اِدھر سے ٹھنڈک آ رہی ہے، اور اُدھر سے نکل رہی ہے۔ لہٰذا کمرہ ٹھنڈا نہیں ہو گا۔ بالکل اسی طرح یہ سوچئے کہ

روزہ کا ایئر کنڈیشنر تو آپ نے لگا دیا۔ لیکن ساتھ ہی دوسری طرف اللہ کی نافرمانی اور معصیتوں کے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں۔ اب بتائیے ایسے روزے سے کوئی فائدہ حاصل ہو گا؟

اصل مقصد "حکم کی اتباع"

اسی طرح روزے کے اندر یہ حکمت کہ اس کا مقصد قوت بہیمیہ توڑنا ہے۔ یہ بعد کی حکمت ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ان کے حکم کی اتباع ہو۔ اور سارے دین کا مدار اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی اتباع ہے۔ وہ جب کہیں کہ کھاؤ، اس وقت کھانا دین ہے۔ اور جب وہ کہیں کہ مت کھاؤ۔ اس وقت نہ کھانا دین ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنی اتباع کا عجیب نظام بنایا ہے کہ سارا دن تو روزہ رکھنے کا حکم دیا، اور اس پر بڑا اجر و ثواب رکھا۔ لیکن ادھر آفتاب غروب ہوا۔ ادھر یہ حکم آگیا کہ اب جلدی افطار کرو، اور افطار میں جلدی کرنے کو مستحب قرار دیا۔ اور بلاوجہ افطار میں تاخیر کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ کیوں ناپسندیدہ ہے؟ اس لئے کہ جب آفتاب غروب ہو گیا تو اب ہمارا یہ حکم آگیا کہ اب بھی اگر نہیں کھاؤ گے۔ اور بھوکے رہو گے تو یہ بھوک کی حالت ہمیں پسند نہیں۔ اس لئے کہ اصل کام ہماری اتباع کرنا ہے۔ اپنا شوق پورا نہیں کرنا ہے۔

ہمارا حکم توڑ دیا

عام حالات میں دنیا کی کسی چیز کی حرص اور ہوس بہت بری چیز ہے۔ لیکن جب وہ کہیں کہ حرص کرو، تو پھر حرص ہی میں لطف اور مزہ ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

جب سلطان دین یہ چاہ رہے ہیں کہ میں حرص اور طمع کروں تو پھر قناعت کے سر پر خاک، پھر قناعت میں مزہ نہیں ہے۔ پھر تو طمع اور حرص میں مزہ ہے، یہ افطار میں جلدی کرنے کا حکم اسی وجہ سے ہے، غروب آفتاب سے پہلے تو یہ حکم تھا ایک ذرہ بھی اگر منہ میں چلا گیا تو گناہ بھی لازم اور کفارہ بھی لازم، مثلاً سات بجے آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ اب اگر کسی شخص نے چھ بج کر انسٹھ منٹ پر ایک چنے کا دانہ کھالیا۔ اب بتایئے کہ روزہ میں کتنی کمی آئی؟ صرف ایک منٹ کی کمی آئی، ایک منٹ کا روزہ توڑا، لیکن اس ایک منٹ کے روزے کے کفارے میں ساٹھ دن کے روزے رکھنے واجب ہیں، اس لئے کہ بات صرف ایک چنے اور ایک منٹ کی نہیں ہے، بات دراصل یہ ہے کہ اس نے ہمارا حکم توڑا، ہمارا حکم یہ تھا کہ جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے اس وقت تک کھانا جائز نہیں، لیکن تم نے یہ حکم توڑ دیا، لہٰذا اب ایک منٹ کے بدلے میں ساٹھ دن کے روزے رکھو۔

افطار میں جلدی کرو

اور پھر جیسے ہی آفتاب غروب ہو گیا تو یہ حکم آگیا کہ اب جلدی کھاؤ، اگر بلاوجہ تاخیر کر دی تو گناہ ہو گا، کیوں؟ اس واسطے کہ ہم نے حکم دیا تھا کہ کھاؤ، اب کھانا ضروری ہے۔

سحری میں تاخیر افضل ہے

سحری کے بارے میں حکم یہ ہے کہ سحری تاخیر سے کھانا افضل ہے۔ جلدی کھانا خلاف سنت ہے، بعض لوگ رات کو بارہ بجے سحری کھا کر سو جاتے ہیں، یہ خلاف سنت ہے، چنانچہ صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا کہ بالکل آخری وقت تک کھاتے رہتے تھے۔ اس واسطے کہ یہ وہ وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ صرف یہ کہ کھانے کی اجازت ہے بلکہ کھانے کا حکم ہے، اس لئے جب تک وہ وقت

باقی رہے گا، ہم کھاتے رہیں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع اور اطاعت اسی میں ہے، اب اگر کوئی شخص پہلے سحری کھالے تو گویا کہ اس نے روزے کے وقت میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا، اس لئے پہلے سے سحری کھانے کو ممنوع قرار دیا۔ پورے دین میں سارا کھیل اتباع کا ہے، جب ہم نے کہا کہ کھاؤ تو کھانا ثواب ہے، اور جب ہم نے کہا کہ مت کھاؤ تو نہ کھانا ثواب ہے۔ اس لئے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ میاں کہہ رہے ہیں کہ کھاؤ، اور بندہ کہے کہ میں تو نہیں کھاتا۔ یا میں کم کھاتا ہوں۔ یہ تو بندگی اور اطاعت نہ ہوئی۔ ارے بھائی! نہ تو کھانے میں کچھ رکھا ہے اور نہ ہی نہ کھانے میں کچھ رکھا ہے۔ سب کچھ ان کی اطاعت میں ہے، اس لئے جب انہوں نے کہہ دیا کہ کھاؤ، تو پھر کھاؤ، اس میں اپنی طرف سے زیادہ پابندی کرنے کی ضرورت نہیں،

ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزار لو

البتہ اہتمام کرنے کی چیز یہ ہے کہ جب روزہ رکھ لیا تو اب اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ۔ آنکھوں کو بچاؤ۔ کانوں کو بچاؤ، زبانوں کو بچاؤ، ایک رمضان کے موقع پر ہمارے حضرت قدس اللہ سرہ نے یہاں تک فرمایا کہ میں ایک ایسی بات کہتا ہوں جو کوئی اور نہیں کہے گا۔ وہ یہ کہ اپنے نفس کو اس طرح بہلاؤ، اور اس سے عہد کر لو کہ ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزار لو۔ جب یہ ایک مہینہ گزر جائے تو پھر تیرا جو جی چاہے کرنا چنانچہ حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ جب یہ ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزر جائے گا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ خود اس کے دل میں گناہ چھوڑنے کا داعیہ پیدا فرما دینگے۔ لیکن یہ عہد کر لو کہ یہ اللہ کا مہینہ آرہا ہے۔ یہ عبادت کا مہینہ ہے۔ یہ تقویٰ پیدا کرنے کا مہینہ ہے، ہم اس میں گناہ نہیں کریں گے، اور ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ وہ کن گناہوں میں مبتلا ہے۔ پھر ان سب کے بارے میں یہ عہد کرلے کہ میں ان میں مبتلا نہیں ہوں گا۔

مثلاً یہ عہد کرلے کہ رمضان المبارک میں آنکھ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی۔ کان غلط بات نہیں سنیں گے۔ زبان سے غلط بات نہیں نکلے گی۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ روزہ بھی رکھا ہوا ہے۔ اور فواحشات کو بھی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں، اور اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

اس ماہ میں رزق حلال

دوسری اہم بات جو ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کم از کم اس ایک مہینے میں تو رزق حلال کا اہتمام کر لو، جو لقمہ آئے، وہ حلال کا آئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ روزہ تو اللہ کے لئے رکھا، اور اس کو حرام چیز سے افطار کر رہے ہیں سود پر افطار ہو رہا ہے۔ یا رشوت پر افطار ہو رہا ہے۔ یا حرام آمدنی پر افطار ہو رہا ہے۔ یہ کیسا روزہ ہوا؟ کہ سحری بھی حرام اور افطاری بھی حرام، اور درمیان میں روزہ۔ اس لئے خاص طور پر اس مہینے میں حرام روزی سے بچو۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! میں رزق حلال کھانا چاہتا ہوں۔ مجھے رزق حرام سے بچا لیجئے۔

حرام آمدنی سے بچیں

بعض حضرات وہ ہیں، جن کا بنیادی ذریعہ معاش ...... الحمد للہ ...... حرام نہیں ہے، بلکہ حلال ہے، البتہ اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے کچھ حرام آمدنی کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ ایسے حضرات کے لئے حرام سے بچنا کوئی دشوار کام نہیں ہے، وہ کم از کم اس ماہ میں تھوڑا سا اہتمام کر لیں، اور حرام آمدنی سے بچیں...... یہ عجیب قصہ ہے کہ اس ماہ کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ یہ صبر کا مہینہ ہے۔ یہ مواسات اور غمخواری کا مہینہ ہے۔ ایک دوسرے سے ہمدردی کا مہینہ ہے۔ لیکن اس ماہ میں مواسات کے بجائے لوگ الٹا کھال کھینچنے کی فکر کرتے ہیں۔ ادھر رمضان المبارک کا مہینہ آیا۔ اور اُدھر چیزوں کی ذخیرہ اندوزی شروع کر دی۔ لہٰذا کم از کم اس ماہ میں اپنے آپ کو ایسے حرام کاموں سے بچالو۔

اگر آمدنی مکمل حرام ہے تو پھر؟

بعض حضرات وہ ہیں جن کا ذریعہ آمدنی مکمل طور پر حرام ہے، مثلاً وہ کسی سودی ادارے میں ملازم ہیں، ایسے حضرات اس ماہ میں کیا کریں؟ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ ...... اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ...... ہر آدمی کے لئے راستہ بتا گئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: میں ایسے آدمی کو جس کی مکمل آمدنی حرام ہے۔ یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگر ہو سکے تو رمضان میں چھٹی لے لے، اور کم از کم اس ماہ کے خرچ کے لئے جائز اور حلال ذریعہ سے انتظام کر لے۔ کوئی جائز آمدنی کا ذریعہ اختیار کر لے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے سے اس ماہ کے خرچ کے لئے کسی سے قرض لے لے۔ اور یہ سوچے کہ میں اس مہینہ میں حلال آمدنی سے کھاؤں گا۔ اور اپنے بچوں کو بھی حلال کھلاؤں گا، کم از کم اتنا تو کر لے۔

گناہوں سے بچنا آسان ہے

بہرحال! میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ لوگ اس مہینے میں نوافل وغیرہ کا تو اہتمام بہت کرتے ہیں، لیکن گناہوں سے بچنے کا اتنا اہتمام نہیں کرتے۔ حالانکہ اس ماہ میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے بچنے کو آسان فرما دیا ہے۔ چنانچہ اس ماہ میں شیطان کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔ اور ان کو قید کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا شیطان کی طرف سے گناہ کرنے کے وسوسے اور تقاضے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

روزے میں غصے سے پرہیز

تیسری بات جس کا روزے سے خاص تعلق ہے، وہ ہے غصے سے اجتناب اور پرہیز، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مواسات کا مہینہ ہے۔ ایک دوسرے سے غمخواری کا مہینہ ہے۔ لہٰذا غصہ اور غصہ کی وجہ سے سرزد ہونے والے جرائم اور گناہ، مثلاً جھگڑا، مارپٹائی اور تو تکار، ان چیزوں سے پرہیز کا اہتمام کریں۔ حدیث شریف حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم نے یہاں تک فرمادیا کہ:

وان جهل على احدكم جاهل وهو صائم۔ فليقل انى صائم

(ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی فضل الصوم، حدیث نمبر: ۷۶۴)

یعنی اگر کوئی شخص تم سے جہالت اور لڑائی کی بات کرے تو تم کہہ دو کہ میرا روزہ ہے۔ میں لڑنے کے لئے تیار نہیں۔ نہ زبان سے لڑنے کے لئے تیار ہوں، اور نہ ہاتھ سے۔ اس سے پرہیز کریں۔ یہ سب بنیادی کام ہیں۔

رمضان میں نفلی عبادات زیادہ کریں

جہاں تک عبادات کا تعلق ہے، تمام مسلمان ماشاء اللہ جانتے ہی ہیں کہ روزہ رکھنا، تراویح پڑھنا ضروری ہے، اور تلاوت قرآن کو چونکہ اس مہینے سے خاص مناسبت ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پورے قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے، اس مہینے میں تلاوت کریں۔ اور اس کے علاوہ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے زبان پر اللہ کا ذکر کریں۔ اور تیسرا کلمہ: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اور درود شریف۔ اور استغفار کا چلتے پھرتے اس کی کثرت کا اہتمام کریں۔ اور نوافل کی جتنی کثرت ہو سکے، کریں۔ اور عام دنوں میں رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملتا، لیکن رمضان المبارک میں چونکہ انسان سحری کے لئے اٹھتا ہے۔ تھوڑا پہلے اٹھ جائے۔ اور سحری سے پہلے تہجد پڑھنے کا معمول بنالے۔ اور اس ماہ میں نماز خشوع کے ساتھ اور مرد با جماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کرلیں۔ یہ سب کام تو اس ماہ میں کرنے ہی چاہئیں۔ یہ رمضان المبارک کی خصوصیات میں سے ہیں۔ لیکن ان سب چیزوں سے زیادہ اہم گناہوں سے بچنے کی فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور رمضان المبارک کے انوار و برکات سے صحیح طور پر مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ..... وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آزادیِ نسواں کا فریب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

نئی تہذیب کا عجیب فلسفہ ہے کہ اگر ایک عورت اپنے گھر میں اپنے لئے اور اپنے شوہر کے لئے اور اپنے بچوں کے لئے کھانا تیار کرتی ہے' تو یہ رجعت پسندی اور دقیانوسیت ہے۔ اور اگر وہی عورت ہوائی جہاز میں ایئر ہوسٹس بن کر سینکڑوں انسانوں کی ہوس ناک نگاہوں کا نشانہ بن کر ان کی خدمت کرتی ہے تو اس کا نام آزادی اور جدت پسندی ہے۔ اگر عورت گھر میں رہ کر اپنے ماں' باپ' بہن' بھائیوں کے لئے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلّت ہے' لیکن دوکانوں پر "سیلز گرل" بن کر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے' یا دفاتر میں اپنے افسروں کی نازبرداری کرے تو یہ "آزادی" اور "اعزاز" ہے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آزادی نسواں کا فریب

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیآت اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ ــــــ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔ اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی

(سورۃ الاحزاب: ۳۳)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

آج کا موضوع

میرے محترم بھائیوں اور بہنوں! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج کی اس گفتگو کا موضوع "حجاب کی اہمیت" مقرر کیا گیا ہے' اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اسلامی احکامات کی رُو سے' اور قرآن سنّت کی تعلیمات کی روشنی میں عورت کے لئے "حجاب" کا کیا حکم ہے؟ اور وہ کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

اس موضوع کو صحیح طور پر سمجھنے سے پہلے ایک اہم نکتے کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہوں گا۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ عورت کے لئے "حجاب" اور "پردہ" کیوں ضروری ہے' اور اس کے شرعی احکام کیا ہیں؟ اور یہ بات اس وقت تک ٹھیک ٹھیک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ عورت کے اس دنیا میں آنے اور اس کے پیدا کئے جانے کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

تخلیق کا مقصد خالق سے پوچھو

آج مغربی افکار کی یورش میں یہ پروپیگنڈہ ہر جگہ کیا جاتا ہے کہ اسلام کے اندر عورت کو نقاب اور پردے میں رکھ کر گھونٹ دیا گیا ہے' اس کو چار دیواری کے اندر قید کر دیا گیا ہے' لیکن یہ سارا پروپیگنڈہ درحقیقت اس بات کا نتیجہ ہے کہ عورت کی تخلیق کا بنیادی مقصد معلوم نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی شخص کو اس بات پر ایمان ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں' انسان کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں' مرد اور عورت دونوں کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں تو پھر ان کا مقصد تخلیق بھی معلوم کرے گا اور اگر خدانخواستہ اس پر ایمان نہ ہو تو پھر بات آگے نہیں چل سکتی۔ اور اس زمانے میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان نہیں رکھتے ہیں' اور لادینیت کے میدان میں روز بروز آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں' ان کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی نشانیاں اور علامات دکھا

رہے ہیں جن سے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اگر اللہ پر ایمان نہ ہو تو پھر بات آگے چل ہی نہیں سکتی، لیکن اگر اللہ پر ایمان ہے، اور یہ پتہ ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے، اور مرد کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے، عورت کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے تو اب پیدائش کا مقصد بھی اسی سے پوچھنا چاہئے کہ مرد کو کیوں پیدا کیا؟ اور عورت کو کیوں پیدا کیا؟ اور دونوں کی تخلیق کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

مرد اور عورت دو مختلف صنفیں ہیں

یہ نعرہ آج بہت زور و شور سے لگایا جاتا ہے کہ عورتوں کو بھی مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہئے۔ اور مغربی افکار نے یہ پروپیگنڈہ ساری دنیا میں کر دیا ہے، لیکن یہ نہیں دیکھا کہ اگر مرد اور عورت دونوں ایک ہی جیسے کام کے لئے پیدا ہوئے تھے، تو پھر دونوں کو جسمانی طور پر الگ الگ پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مرد کا جسمانی نظام اور ہے، عورت کا جسمانی نظام اور ہے، مرد کا مزاج اور ہے، اور عورت کا مزاج اور ہے، مرد کی صلاحیتیں اور ہیں، عورت کی صلاحیتیں اور ہیں، اللہ تعالیٰ نے دونوں صنفیں اس طرح بنائی ہیں کہ دونوں کی تخلیقی ساخت اور اس کے نظام میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ مرد اور عورت میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہے، یہ خود فطرت کے خلاف بغاوت ہے اور مشاہدہ کا انکار ہے۔ اس لئے کہ یہ تو آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ مرد اور عورت کی ساخت میں فرق ہے، نئے فیشن نے مرد اور عورت کے اس فطری فرق کو مٹانے کی کتنی کوششیں کر دیکھیں، چنانچہ عورتوں نے مردوں جیسا لباس پہننا شروع کر دیا، اور مردوں نے عورتوں جیسا لباس پہننا شروع کر دیا، عورتوں نے مردوں جیسے بال رکھنے شروع کر دیئے، اور مردوں نے عورتوں جیسے بال رکھنے شروع کر دیئے۔ لیکن اس بات سے انکار اب بھی نہیں کیا جاسکتا کہ مرد اور

عورت دونوں کا جسمانی نظام مختلف ہے۔ دونوں مختلف صنفیں ہیں، دونوں کے انداز زندگی مختلف ہیں، اور دونوں کی صلاحیتیں مختلف ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے پوچھنے کا ذریعہ پیغمبر ہیں

لیکن یہ کس سے معلوم کیا جائے کہ مرد کو کیوں پیدا کیا گیا؟ اور عورت کو کیوں پیدا کیا گیا؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہی ہوگا کہ جس ذات نے پیدا کیا ہے، اسی سے پوچھو کہ آپ نے مرد کو کس مقصد کے تحت پیدا کیا ہے؟ اور عورت کو کس مقصد کے تحت پیدا کیا ہے؟ اور اس سے پوچھنے کا ذریعہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

انسانی زندگی کے دو شعبے

قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے کسی ادنیٰ شبہ کے بغیر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ درحقیقت انسانی زندگی دو مختلف شعبوں پر منقسم ہے، ایک گھر کے اندر کا شعبہ ہے، اور ایک گھر کے باہر کا شعبہ ہے۔ یہ دونوں شعبے ایسے ہیں کہ ان دونوں کو ساتھ لئے بغیر ایک متوازن اور معتدل زندگی نہیں گزاری جاسکتی، گھر کا انتظام بھی ضروری ہے، اور گھر کے باہر کا انتظام یعنی کسب معاش اور روزی کمانے کا انتظام بھی ضروری ہے۔ جب دونوں کام ایک ساتھ اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک ٹھیک چلیں گے تب انسان کی زندگی استوار ہوگی، اور اگر ان میں سے ایک انتظام بھی ختم ہوگیا، یا ناقص ہوگیا تو اس سے انسان کی زندگی میں توازن (Balance) ختم ہوجائے گا۔

مرد اور عورت کے درمیان تقسیم کار

ان دونوں شعبوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ تقسیم فرمائی کہ مرد کے ذمے گھر کے

باہر کے کام لگائے، مثلاً کسبِ معاش اور روزی کمانے کا کام، اور سیاسی اور سماجی کام وغیرہ۔ یہ سارے کام درحقیقت مرد کے ذمے عائد کئے ہیں، اور گھر کے اندر کا شعبہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حوالے کیا ہے، وہ اس کو سنبھالیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آجاتا کہ عورت باہر کا انتظام کرے گی، اور مرد گھر کا انتظام کرے گا، تو بھی کوئی چوں وچرا کی مجال نہیں تھی۔ لیکن اگر عقل کے ذریعے انسان کی فطری تخلیق کا جائزہ لیں تو بھی اس کے سوا اور کوئی انتظام نہیں ہو سکتا کہ مرد گھر کے باہر کا کام کرے اور عورت گھر کے اندر کا کام کرے، اس لئے کہ مرد اور عورت کے درمیان اگر تقابل کرکے دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ جسمانی قوت جتنی مرد میں ہے، اتنی عورت میں نہیں، اور کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ نے مرد میں عورت کی نسبت جسمانی قوت زیادہ رکھی ہے، اور گھر کے باہر کے کام قوت کا تقاضہ کرتے ہیں، محنت کا تقاضہ کرتے ہیں۔ وہ کام قوت اور محنت کے بغیر انجام نہیں دیئے جا سکتے۔ لہٰذا اس فطری تخلیق کا بھی تقاضا یہی تھا کہ گھر کے باہر کا کام مرد انجام دے، اور گھر کے اندر کے کام عورت کے سپرد ہوں۔

عورت گھر کا انتظام سنبھالے

ابتداء میں جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو براہِ راست خطاب فرمایا، اور ان کے واسطے سے ساری مسلمان خواتین سے خطاب فرمایا، وہ یہ ہے کہ :

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ

یعنی تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو، اس میں صرف اتنی بات نہیں کہ

عورت کو ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جانا چاہئے' بلکہ اس آیت میں ایک بُنیادی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے' وہ یہ کہ ہم نے عورت کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ گھر میں قرار سے رہ کر گھر کے انتظام کو سنبھالے۔

حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان تقسیمِ کار

حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اپنے درمیان یہ تقسیم کار فرما رکھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کے باہر کے کام انجام دیتے' اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر کے اندر کا انتظام سنبھالتیں۔ چنانچہ گھر کی جھاڑو دیتیں' چکی چلا کر آٹا پیستیں' پانی بھرتیں' کھانا پکاتیں۔

عورت کو کس لالچ پر گھر سے باہر نکالا گیا؟

لیکن جس ماحول میں معاشرے کی پاکیزگی کوئی قیمت ہی نہ رکھتی ہو' اور جہاں عفت و عصمت کے بجائے اخلاقی باختگی اور حیاسوزی کو منتہائے مقصود سمجھا جاتا ہو' ظاہر ہے کہ وہاں اس تقسیمِ کار اور پردہ اور حیاء کو نہ صرف غیر ضروری' بلکہ راستے کی رُکاوٹ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ جب مغرب میں تمام اخلاقی اقدار سے آزادی کی ہوا چلی تو مرد نے عورت کے گھر میں رہنے کو اپنے لئے دوہری مصیبت سمجھا۔ ایک طرف تو اس کی ہوسناک طبیعت عورت کی کوئی ذمّہ داری قبول کئے بغیر قدم قدم پر اس سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی' اور دوسری طرف وہ اپنی قانونی بیوی کی معاشی کفالت کو بھی ایک بوجھ تصوّر کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے دونوں مُشکلات کا جو عیّارانہ حل نکالا' اس کا خوبصورت اور

معصوم نام "تحریکِ آزادیٔ نِسواں" ہے۔ عورت کو یہ پڑھایا گیا کہ تم اب تک گھر کی چار دیواری میں قید رہی ہو' اب آزادی کا دور ہے' اور تمہیں اس قید سے باہر آکر مردوں کے شانہ بشانہ زندگی کے ہر کام میں حصّہ لینا چاہئے۔ اب تک تمہیں حکومت وسیاست کے ایوانوں سے بھی محروم رکھا گیا ہے' اب تم باہر آکر زندگی کی جدوجہد میں برابر کا حصّہ لو تو دنیا بھر کے اعزازات اور اونچے اونچے منصب تمہارا انتظار کررہے ہیں۔

عورت بے چاری ان دلفریب نعروں سے متأثر ہو کر گھر سے باہر آگئی' اور پروپیگنڈے کے تمام وسائل کے ذریعے شور مچا مچا کر اسے یہ باور کرادیا گیا کہ اُسے صدیوں کی غلامی کے بعد آج آزادی ملی ہے' اور اب اس کے رنج و محن کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ ان دلفریب نعروں کی آڑ میں عورت کو گھسیٹ کر سڑکوں پر لایا گیا' اُسے دفتروں میں کلرکی عطاء کی گئی' اسے اجنبی مردوں کی پرائیویٹ سیکریٹری کا "منصب" بخشا گیا' اسے "اسٹینو ٹائپسٹ" بننے کا اعزاز دیا گیا۔ اُسے تجارت چمکانے کے لئے "سیلز گرل" اور "ماڈل گرل" بننے کا شرف بخشا گیا' اور اس کے ایک ایک عضو کو برسرِبازار رُسوا کرکے گاہکوں کو دعوت دی گئی کہ آؤ اور ہم سے مال خریدو' یہاں تک کہ وہ عورت جس کے سر پر دینِ فطرت نے عزّت و آبرو کا تاج رکھا تھا' اور جس کے گلے میں عفّت و عصمت کے ہار ڈالے تھے' تجارتی اداروں کے لئے ایک شوپیس اور مرد کی تھکن دور کرنے کے لئے ایک تفریح کا سامان بن کر رہ گئی۔

آج ہر گھٹیا کام عورت کے سپرد ہے

نام یہ لیا گیا تھا کہ عورت کو "آزادی" دے کر سیاست و حکومت کے ایوان اس کے لئے کھولے جارہے ہیں' لیکن ذرا جائزہ لے کر تو دیکھئے کہ اس عرصے میں خود مغربی ممالک کی کتنی عورتیں صدر یا وزیرِ اعظم بن گئیں؟ کتنی

خواتین کو جج بنایا گیا؟ کتنی عورتوں کو دوسرے بلند مناصب کا اعزاز نصیب ہوا؟ اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو ایسی عورتوں کا تناسب بمشکل چند فی لاکھ ہوگا۔ ان گنی چنی خواتین کو کچھ مناصب دینے کے نام پر باقی لاکھوں عورتوں کو جس بے دردی کے ساتھ سڑکوں اور بازاروں میں گھسیٹ کر لایا گیا ہے وہ "آزادیٔ نسواں" کے فراڈ کا المناک ترین پہلو ہے۔ آج یورپ اور امریکہ میں جا کر دیکھئے تو دنیا بھر کے تمام نچلے درجے کے کام عورت کے سپرد ہیں۔ ریستورانوں میں کوئی مرد ویٹر شاذونادر ہی کہیں نظر آئے گا' ورنہ یہ خدمات تمام تر عورتیں انجام دے رہی ہیں' ہوٹلوں میں مسافروں کے کمرے صاف کرنے' ان کے بستر کی چادریں بدلنے اور "روم اٹنڈنٹ" کی خدمات تمام تر عورتوں کے سپرد ہیں۔ دوکانوں پر مال بیچنے کے لئے مرد خال خال نظر آئیں گے' یہ کام بھی عورتوں ہی سے لیا جارہا ہے۔ دفاتر کے استقبالیوں پر عام طور پر عورتیں ہی تعینات ہیں۔ اور بیرے سے لے کر کلرک تک کے تمام "مناصب" زیادہ تر اسی صنف نازک کے حصے میں آئے ہیں جسے "گھر کی قید سے آزادی" عطا کی گئی ہے۔

نئی تہذیب کا عجیب فلسفہ

پروپیگنڈے کی قوتوں نے یہ عجیب وغریب فلسفہ ذہنوں پر مسلط کر دیا ہے کہ عورت اگر اپنے گھر میں اپنے اور اپنے شوہر' اپنے ماں باپ' بہن بھائیوں اور اولاد کے لئے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلّت ہے' لیکن وہی عورت اجنبی مردوں کے لئے کھانا پکائے' ان کے کمروں کی صفائی کرے' ہوٹلوں اور جہازوں میں ان کی میزبانی کرے' دوکانوں پر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے اور دفاتر میں اپنے افسروں کی ناز برداری کرے تو یہ "آزادی" اور "اعزاز" ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

پھر ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ عورت کسب معاش کے آٹھ آٹھ گھنٹے کی یہ

سخت اور ذلت آمیز ڈیوٹیاں ادا کرنے کے باوجود اپنے گھر کے کام دھندوں سے اب بھی فارغ نہیں ہوئی۔ گھر کی تمام خدمات آج بھی پہلے کی طرح اسی کے ذمے ہیں، اور یورپ اور امریکہ میں اکثریت ان عورتوں کی ہے جن کو آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی دینے کے بعد اپنے گھر پہنچ کر کھانا پکانے، برتن دھونے اور گھر کی صفائی کا کام بھی کرنا پڑتا ہے۔

کیا نصف آبادی عضوِ معطّل ہے؟

عورتوں کو گھر سے باہر نکالنے کے لئے آج کل ایک چلتا ہوا استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہم اپنی نصف آبادی کو عضوِ معطّل بنا کر قومی تعمیر و ترقی کے کام میں نہیں ڈال سکے۔ یہ بات اس شان سے کہی جاتی ہے کہ گویا ملک کے تمام مردوں کو کسی نہ کسی کام پر لگا کر مردوں کی حد تک "مکمل روزگار" کی منزل حاصل کر لی گئی ہے۔ اب نہ صرف یہ کہ کوئی مرد بے روزگار نہیں رہا بلکہ ہزار ہا کام "مین پاور" کے انتظار میں ہیں۔

حالانکہ یہ بات ایک ایسے ملک میں کہی جا رہی ہے جہاں اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل مرد سڑکوں پر جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں، جہاں کوئی چپڑاسی یا ڈرائیور کی آسامی نکلتی ہے تو اس کے لئے دسیوں گریجویٹ اپنی درخواستیں پیش کر دیتے ہیں اور اگر کوئی کلرک کی جگہ نکلتی ہے تو اس کے لئے دسیوں ماسٹر اور ڈاکٹر تک کی ڈگریاں رکھنے والے اپنی درخواستیں پیش کر دیتے ہیں۔ پہلے مردوں کی "نصف آبادی" ہی کو ملکی تعمیر و ترقی کے کام میں پورے طور پر لگا لیجئے۔ اس کے بعد باقی نصف آبادی کے بارے میں سوچئے کہ وہ عضوِ معطّل ہے یا نہیں؟

آج فیملی سسٹم تباہ ہو چکا ہے

اللہ تعالیٰ نے عورت کو گھر کی ذمہ دار بنایا تھا، گھر کی منتظم بنایا تھا کہ وہ

فیملی سسٹم استوار رکھ سکے' لیکن جب وہ گھر سے باہر آگئی تو یہ ہوا کہ باپ بھی باہر' اور ماں بھی باہر' اور بچے اسکول میں یا نرسری میں' اور گھر پر تالا پڑ گیا' اب وہ فیملی سسٹم تباہ اور برباد ہو کر رہ گیا۔ عورت کو تو اس لئے بنایا تھا کہ جب وہ گھر میں رہے گی تو گھر کا انتظام بھی کرے گی' اور بچے اس کی گود میں تربیت پائیں گے' ماں کی گود بچے کی سب سے پہلی تربیت گاہ ہوتی ہے۔ وہیں سے وہ اخلاق سیکھتے ہیں' وہیں سے وہ کردار سیکھتے ہیں' وہیں سے زندگی گزارنے کے صحیح طریقے سیکھتے ہیں' لیکن آج مغربی معاشرے میں فیملی سسٹم تباہ ہو کر رہ گیا ہے' بچوں کو ماں اور باپ کی شفقت میسّر نہیں ہے' اور جب عورت دوسری جگہ کام کر رہی ہے اور مرد دوسری جگہ کام کر رہا ہے' اور دونوں کے درمیان دن بھر میں کوئی رابطہ نہیں ہے' اور دونوں جگہ پر آزاد سوسائٹی کا ماحول ہے تو بسا اوقات ان دونوں میں آپس کا رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے' اور ٹوٹنے لگتا ہے' اور اس کی جگہ ناجائز رشتے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں' اور اس کی وجہ سے طلاق تک نوبت پہنچتی ہے اور گھر برباد ہو جاتا ہے۔

عورت کے بارے میں "گورباچوف" کا نظریہ

اگر یہ باتیں صرف میں کہتا تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ یہ سب باتیں آپ تعصّب کی بناء پر کہہ رہے ہیں لیکن اب سے چند سال پہلے سوویت یونین کے آخری صدر "میخائل گورباچوف" نے ایک کتاب لکھی ہے "پروسٹرائیکا" آج یہ کتاب ساری دنیا میں مشہور ہے اور شائع شدہ شکل میں موجود ہے' اس کتاب میں گورباچوف نے "عورتوں کے بارے" میں (Status of Women) کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے' اس میں اس نے صاف اور واضح لفظوں میں یہ بات لکھی ہے کہ:

"ہماری مغرب کی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر نکالا

گیا' اور اس کو گھر سے باہر نکالنے کے نتیجے میں بیشک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کئے' اور پیداوار میں کچھ اضافہ ہوا' اس لئے کہ مرد بھی کام کر رہے ہیں اور عورتیں بھی کام کر رہی ہیں' لیکن پیداوار کے زیادہ ہونے کے باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو گیا' اور اس فیملی سسٹم کے تباہ ہونے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصانات اُٹھانے پڑے ہیں' وہ نقصانات اُن فوائد سے زیادہ ہیں جو پروڈیکشن کے اضافے کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوئے۔ لہٰذا میں اپنے ملک میں "پروسٹرائیکا" کے نام سے ایک تحریک شروع کر رہا ہوں' اس میں میرا ایک بڑا بُنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے' اس کو واپس گھر میں کیسے لایا جائے؟ اس کے طریقے سوچنے پڑیں گے' ورنہ جس طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو چکا ہے' اسی طرح ہماری پوری قوم تباہ ہو جائے گی"۔

یہ الفاظ میخائل گورباچوف نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں' وہ کتاب آج بھی بازار میں دستیاب ہے' جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

روپیہ پیسہ بذاتِ خود کوئی چیز نہیں

اس فیملی سسٹم کی تباہ کاری کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے عورت کی مقصدِ تخلیق کو نہیں جانا کہ عورت کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس لئے پیدا کیا تھا کہ وہ گھر کے نظام اور فیملی سسٹم کو استوار کرے۔ آج کے معاشی دور کی ساری کوششوں کا حاصل یہ ہے کہ روپیہ پیسہ زیادہ ہو جائے' لیکن یہ تو بتاؤ کہ کیا یہ روپیہ پیسہ بذاتِ خود کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ اگر آپ کو بھوک لگ

رہی ہو' اور آپ کے پاس پیسے موجود ہوں' تو کیا آپ اس کو کھا کر بھوک مٹالیں گے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ پیسہ بذاتِ خود کوئی چیز نہیں' جب تک کہ اس کے ذریعہ ضرورت کی چیزیں مہیا کر کے آدمی سکون حاصل نہ کرے۔

آج کا نفع بخش کاروبار

پچھلے دنوں ایک رسالے میں ایک سروے کی تفصیل آئی ہے۔ اس سروے کا مقصد یہ تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ نفع بخش کاروبار کونسا ہے؟ چنانچہ اس سروے کی رپورٹ یہ لکھی ہے کہ آج پوری دنیا میں سب سے زیادہ نفع بخش کاروبار "ماڈل گرل" کا کاروبار ہے۔ اس لئے کہ ایک "ماڈل گرل" مصنوعات کے اشتہارات پر اپنی عُریاں تصویر دینے کے لئے صرف ایک دن کے ۲۵ ملین ڈالر وصول کرتی ہے' اور اس ایک دن میں وہ تاجر اور سرمایہ کار اپنی مرضی سے جتنی تصویریں جس انداز سے اور جس زاویے سے اتارنا چاہے' اتارتا ہے' اور اس کے ذریعہ وہ اپنی مصنوعات کو بازار میں پھیلاتا ہے۔ آج یہ عورت ایک بکاؤ مال بن چکا ہے' اور سرمایہ دار اس کو جس طرح چاہتا ہے استعمال کرتا ہے' وجہ یہ ہے کہ عورت نے گھر سے باہر نکل کر اپنی قدر و منزلت اور اپنا مرتبہ کھودیا اور اس کا یہ نتیجہ نکلا۔

ایک یہودی کا عبرتناک واقعہ

ایک بزرگ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ پہلے زمانے ایک یہودی بہت بڑا مالدار اور سرمایہ دار تھا' اس زمانے میں لوگ اپنی دولت زیرِ زمین خزانے بنا کر اس میں رکھا کرتے تھے' اس یہودی نے خزانے میں سونے چاندی کے انبار اور ڈھیر جمع کئے ہوئے تھے۔ جیسا کہ قارون کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ اس نے بہت بڑا خزانہ جمع کیا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ وہ یہودی اپنے خزانوں کا خفیہ

طور پر معائنہ کرنے کے لئے گیا، اور جب اندر گیا تو اس چوکیدار کو بھی اطلاع نہیں کی جس کو وہاں خزانے پر اس نے مقرر کیا تھا، تاکہ یہ دیکھے کہ وہ چوکیدار کہیں خیانت تو نہیں کر رہا ہے۔ اور اس خزانے کے دروازے کا سسٹم ایسا تھا کہ وہ اندر سے بند تو ہوتا تھا، لیکن اندر سے کھل نہیں سکتا تھا، صرف باہر سے کھل سکتا تھا۔ اب اس نے بے خیالی میں دروازہ اندر سے بند کر لیا، اب کھولنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، باہر جو چوکیدار تھا وہ یہ سمجھتا رہا کہ خزانہ بند ہے، اور اس کے ذہن میں یہ تصور بھی نہیں تھا کہ خزانے کا مالک اندر ہے۔ اب یہ مالک اندر جا کر خزانہ کی تفتیش کرتا رہا اور جب دیکھ بھال کر تفتیش سے فارغ ہو کر واپس باہر نکلنا چاہا تو باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اب وہاں پر قید ہے، بھوک لگ رہی ہے اور خزانہ سارا موجود ہے، لیکن بھوک نہیں مٹا سکتا، پیاس لگ رہی ہے اور خزانہ سارا موجود ہے، لیکن پیاس نہیں بجھا سکتا، رات کو نیند آ رہی ہے، اور خزانہ سارا موجود ہے، لیکن بستر فراہم نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ جتنے دن بغیر کھائے پیئے زندہ رہ سکتا تھا زندہ رہا، اور پھر اسی خزانہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

تو یہ روپیہ پیسہ اپنی ذات میں انسان کو نفع پہنچانے والی چیز نہیں ہے، جب تک کہ نظام درست نہ ہو، اور جب تک راستہ درست نہ ہو۔

گنتی میں اگرچہ دولت زیادہ ہو جائے گی

آج کی دنیا یہ کہتی ہے کہ اگر عورت کو گھر سے باہر نکالیں گے تو ہمیں ورکرز مہیا ہوں گے، اور اس کے نتیجے میں پروڈکشن زیادہ ہوگی اور دولت زیادہ ہوگی، تو یہ بات ٹھیک ہے کہ گنتی میں تو دولت زیادہ ہو جائیگی، لیکن جب تمہارا فیملی سسٹم تباہ ہو گیا اور اس کے نتیجے میں تمہاری قومی ترقی کا راستہ بند ہو گیا یہ کتنا بڑا نقصان ہو گیا۔

دولت کمانے کا مقصد کیا ہے؟

اس لئے قرآن کریم میں جو آیت :

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ

ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ ہم نے عورت کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ زندگی کی یہ اہم ترین خدمت انجام دے کر اپنے فیملی سسٹم کو استوار کرے، اور اپنے گھر کو سنبھالے۔ اس کے تو کوئی معنیٰ نہیں ہیں کہ گھر کا گھر اجڑا پڑا ہے، اور ساری توجہ باہر کے کاموں میں صرف ہو رہی ہے۔ باہر رہ کر انسان جو کچھ کماتا ہے وہ تو اس لئے کماتا ہے کہ گھر کے اندر آکر سکون حاصل کرے، لیکن اگر گھر کا سکون تباہ ہے، تو پھر اس نے جتنی کچھ کمائی کی ہو، وہ کمائی بیکار ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

بچے کو ماں کی ممتا کی ضرورت ہے

اس لئے گھر کے نظام کو استوار کرنے کے لئے اور بچوں کی صحیح تربیت کے لئے اور بچوں کو صحیح فکر پر ڈھالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرائض عورت کے سپرد کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ بچہ ماں اور باپ دونوں کا ہوتا ہے، لیکن جتنا پیار اور جتنی ممتا اللہ تعالیٰ نے ماں کے دل میں رکھی ہے باپ کے دل میں اتنی نہیں رکھی، اور بچے کو جتنا پیار اپنی ماں سے ہوتا ہے اپنے باپ سے اتنا نہیں ہوتا، اور جب بچے کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ چاہے کسی بھی جگہ پر ہو، وہ فوراً ماں کو پکارے گا، باپ کو نہیں پکارے گا، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ ماں میری مصیبت کا علاج کر سکتی ہے، اور اسی محبت کے رشتے سے بچے کی تربیت ہوتی ہے۔ اور جو کام ماں انجام دے سکتی ہے، وہ باپ انجام نہیں دے سکتا،

اگر کوئی باپ یہ چاہے کہ میں ماں کی مدد کے بغیر بچے کی پرورش خود کرلوں' تو باپ کے لئے یہ بات ممکن نہیں' تجربہ کرکے دیکھ لیں۔ آج کل لوگ بچوں کو نرسریوں کے اندر پالتے ہیں۔ یاد رکھو! کوئی بھی نرسری بچے کو ماں کی ممتا فراہم نہیں کرسکتی' بچے کو کسی پولٹری فارم قسم کے ادارے کی ضرورت نہیں' بلکہ بچے کو ماں کی ممتا اور اس کی شفقت کی ضرورت ہے' اور ماں کی ممتا اور اس کی شفقت کو حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ عورت گھر کا نظام سنبھالے۔ اگر کوئی عورت گھر کا نظام نہیں سنبھال رہی ہے تو وہ فطرت سے بغاوت کررہی ہے اور فطرت سے بغاوت کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو اس وقت آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔

بڑے کارناموں کی بنیاد "گھر" ہے

قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے فرمایا دیا تھا کہ :

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ

یعنی اپنے گھروں میں قرار سے رہو' یہ گھر ہی تمہاری دنیا و آخرت ہے' یہ گھر تمہاری زندگی ہے' اور یہ خیال مت کرو کہ مرد گھر سے باہر نکل کر بڑے بڑے کام انجام دے رہا ہے' لہٰذا میں بھی باہر نکل کر بڑے بڑے کارنامے انجام دوں ------ ارے یہ تو سوچو کہ سارے بڑے کارناموں کی بنیاد گھر ہے' اگر تم نے اولاد کی صحیح تربیت کردی' اور ان کے دلوں میں ایمان پیدا کردیا' اور ان کے اندر تقویٰ اور عملِ صالح پیدا کرلیا تو یقین رکھو کہ مرد باہر نکل کر جتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہا ہے' ان تمام کارناموں پر تمہارا یہ کارنامہ فوقیت رکھے گا کہ تم نے ایک بچے کی تربیت دین کے مطابق کردی۔

مغرب کے الٹے پروپیگنڈے نے اور مغرب کی اندھی تقلید نے ہمارے معاشرے کی خواتین سے اولاد کی دینی تربیت کی فکر کو رفتہ رفتہ ختم کرنا شروع

کردیا ہے اور جو خواتین اپنے گھروں میں بیٹھی ہیں، وہ بھی کبھی کبھی یہ سوچنے لگتی ہیں کہ واقعۃً یہ لوگ درست کہتے ہیں کہ ہم گھر کی چار دیواری میں مقید اور بند ہوگئے ہیں، اور جو خواتین گھروں سے باہر نکل رہی ہیں شاید یہ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں ...... لیکن خوب سمجھ لیں کہ عورت جو خدمت اپنے گھر میں بیٹھ کر انجام دے رہی ہے، یاد رکھو اس کا کوئی بدل نہیں ہے، اور وہ خدمت گھر سے باہر نکل کر، بازاروں میں جاکر، دکانوں پر بیٹھ کر نہیں انجام دی جاسکتی، جو گھر میں بیٹھ کر انجام دی جاسکتی ہے۔

تسکین وراحت پردہ کے اندر ہے

اور خواتین یہ نہ سمجھیں کہ یہ پردہ ہمارے لئے دشواری کا سبب ہے، بلکہ عورت کی فطرت میں پردہ داخل ہے، اور "عورت" کے معنی ہی "چھپانے والی چیز" کے ہیں، اور پردہ عورت کی سرشت میں داخل ہے۔ اگر فطرت مسخ ہوجائے تو اس کا تو کوئی علاج نہیں، لیکن جو تسکین اور راحت پردہ کی حالت میں ہوگی، وہ تسکین بے پردگی اور کھلم کھلا اور علانیہ رہنے کی حالت میں نہیں ہوگی، لہٰذا پردہ کا تحفظ حیاء کا ایک لازمی حصہ ہے۔

ایسے بال قیامت کی نشانی ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں آج کے حالات دیکھ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ :

"قیامت کے قریب ایسی عورتیں ہوں گی کہ ان کے سر کے بال لاغر اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے"۔

اونٹ کے کوہان کی طرح بال بنانے کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانے میں تصور بھی نہیں آسکتا تھا۔ آج دیکھ لیں کہ عورتیں اونٹوں کے کوہان کی طرح بال بنا رہی ہیں۔

لباس کے اندر بھی عریاں

اور فرمایا کہ وہ عورتیں بظاہر تو لباس پہنی ہوئی ہوں گی' لیکن وہ لباس ایسے ہوں گے کہ جن سے ستر کا مقصد حاصل نہیں ہوگا' اس لئے کہ وہ لباس اتنا باریک ہوگا' یا وہ لباس اتنا چست ہوگا کہ اس کی وجہ سے جسم کے تمام نشیب و فراز عیاں ہو جائیں گے' اور یہ سب حیاء کے ختم ہونے کا نتیجہ ہوگا۔ آج سے پہلے اس کا تصور اور خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ عورت ایسا لباس پہنے گی' اس لئے کہ اس کے دل میں حیا تھی' اور اس کی طبیعت ایسی تھی کہ وہ ایسا لباس پہننا پسند نہیں کرتی تھی' لیکن آج سینہ کھلا ہوا ہے' گلہ کھلا ہوا ہے' بازو کھلے ہیں' یہ کیسا لباس ہوا؟ لباس تو ستر پوشی کے لئے تھا جو عورت کو اس کی اصل فطرت کی طرف لوٹانے کے لئے تھا۔ وہ لباس ستر پوشی کا کام دینے کے بجائے جسم کو اور زیادہ نمایاں کرنے کا کام انجام دے رہا ہے۔

مخلوط تقریبات کا سیلاب

شادی بیاہ کی تقریبات میں بے حیائی کے مناظر ان گھرانوں میں بھی نظر آنے لگے ہیں جو اپنے آپ کو دیندار کہتے ہیں' جن کے مرد مسجد میں صف اوّل میں نماز پڑھتے ہیں' ان کے گھرانوں کی شادی بیاہ کی تقریبات میں جاکر دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جس میں اس بات کا خیال اور تصور نہیں آسکتا تھا کہ شادی بیاہ کی تقریبات میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوگا' لیکن اب تو مرد و عورت کی مخلوط دعوتوں کا ایک سیلاب ہے اور عورتیں بن سنور کر' سنگھار پٹار کرکے' زیب و زینت سے آراستہ ہوکر ان مخلوط دعوتوں میں شریک

ہوتی ہیں۔ نہ پردہ کا کوئی تصور ہے' نہ حیاء کا کوئی خیال ہے۔

یہ بدامنی کیوں نہ ہو؟

اور پھران تقریبات کی ویڈیو فلمیں بن رہی ہیں' تاکہ جو کوئی اس تقریب میں شریک نہ ہوسکا' اور اس نظارے سے لطف اندوز نہیں ہوسکا' اس کے لئے اس نظارہ سے لطف اندوز ہونے کے لئے ویڈیو فلم تیار ہے' اس کے ذریعہ وہ اس کا نظارہ کرسکتا ہے۔ یہ سب کچھ ہورہا ہے' لیکن پھر بھی دیندار ہیں' پھر بھی نمازی پرہیزگار ہیں۔ یہ سب کچھ ہورہا ہے' لیکن کان پر جوں نہیں رینگتی' اور ماتھے پر شکن نہیں آتی' اور دل میں اس کو ختم کرنے کا کوئی داعیہ پیدا نہیں ہوتا۔ بتائیے کیا پھر بھی یہ فتنے نہ آئیں؟ کیا پھر بھی بدامنی اور بے سکونی پیدا نہ ہو؟ اور آج کل ہر ایک کی جان ومال وعزت آبرو خطرے میں ہے۔ یہ سب کیوں نہ ہوں ______ یہ تو اللہ تعالی کی طرف سے غنیمت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے کہ ایسا قہر ہم پر نازل نہیں ہوتا کہ ہم سب ہلاک ہوجائیں' ورنہ ہمارے اعمال تو سارے ایسے ہیں کہ ایک قہر اور ایک عذاب کے ذریعہ سب کو ہلاک کردیا جاتا۔

ہم اپنی اولاد کو جہنم کے گڑھے میں دھکیل رہے ہیں

اور یہ سب گھر کے بڑوں کی غفلت اور بے حسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے دل سے احساس ختم ہوگیا' کوئی کہنے والا اور کوئی ٹوکنے والا نہیں رہا' بچے جہنم کی طرف دوڑے ہوئے جارہے ہیں' کوئی ان کا ہاتھ پکڑ کر روکنے والا نہیں ہے' کسی باپ کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ ہم اپنی اولاد کو کس گڑھے میں دھکیل رہے ہیں۔ اور دن رات سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اب اگر کوئی ان کو سمجھاتا ہے تو ان بڑوں کا یہ جواب ہوتا ہے کہ ارے بھائی! یہ تو

نوجوان ہیں، لگے رہنے دو، ان کے کاموں میں رکاوٹ نہ ڈالو۔ اس طرح ان اولاد کے سامنے ہتھیار ڈال کر نتیجہ یہاں تک پہنچ گیا۔

ابھی پانی سر سے نہیں گزرا

اب بھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ اب بھی اگر گھر کے سربراہ اور گھر کے ذمہ دار اس بات کا تہیہ کرلیں کہ یہ چند کام نہیں کرنے دیں گے، ہمارے گھر میں مرد و عورت کا مخلوط اجتماع نہیں ہوگا، ہمارے گھر میں کوئی تقریب عورتوں کی بے پردگی کے ساتھ نہیں ہوگی، وڈیو فلم نہیں بنے گی۔ اگر گھر کے بڑے ان باتوں کا تہیہ کرلیں تو اب بھی اس سیلاب پر بند باندھا جاسکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ سیلاب قابو سے باہر ہوا ہو، لیکن اس وقت سے ڈرو کہ جب کوئی کہنے والا خیرخواہ اس صورتِ حال کو تبدیل کرنے کی کوشش کرے گا، اور نہیں کرسکے گا۔ کم از کم وہ گھرانے جو اپنے آپ کو دیندار کہتے ہیں، جو دین اور اسلام کے نام لیوا ہیں، اور بزرگوں سے تعلق رکھنے والے ہیں، وہ تو کم از کم اس بات کا تہیہ کرلیں کہ ہم یہ مخلوط اجتماع نہیں ہونے دیں گے۔

ایسے اجتماعات کا بائیکاٹ کردو

ہمارے بزرگوں نے بائیکاٹ وغیرہ کے طریقے نہیں سکھائے، لیکن یاد رکھو! ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جہاں انسان کو یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ یا تو ہماری یہ بات مانی جائے گی، ورنہ اس تقریب میں ہماری شرکت نہیں ہوگی۔ اگر شادی کی تقریبات ہورہی ہیں، اور مخلوط اجتماعات ہورہے ہیں، اور آپ سوچ رہے ہیں کہ اگر اس دعوت میں نہیں جاتے تو خاندان والوں کو شکایت ہوجائے گی، کہ آپ اس مخلوط دعوت میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟ _______ ارے یہ تو سوچو کہ ان کی شکایت کی تو آپ کو پرواہ ہے، لیکن ان کو آپ کی شکایت کی پرواہ نہیں۔

اگر تم پردہ نشین خاتون ہو، اور وہ تم کو دعوت میں بلانا چاہتے ہیں تو انہوں نے تمہارے لئے پردہ کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ جب انہوں نے تمہارا اتنا خیال نہیں کیا، تو پھر تم پر بھی ان کا خیال کرنا واجب نہیں ہے، ان سے صاف صاف کہہ دو کہ ہم ایسی تقریب میں شریک نہیں ہوں گی۔ جب تک کچھ خواتین ڈٹ کر یہ فیصلہ نہیں کریں گی، یقین رکھو کہ اس وقت تک یہ سیلاب بند نہیں ہو گا۔ کب تک ہتھیار ڈالتے جاؤ گے؟ کب تک ان کے آگے سپر ڈالتے جاؤ گے؟ یہ سیلاب کہاں تک پہنچے گا؟

دنیا والوں کا کب تک خیال کرو گے؟

ہمارے بزرگ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ اس دور کے اندر اللہ تعالیٰ نے جنتی بزرگ پیدا فرمائے تھے، ان کے گھر کی بیٹھک میں فرشی نشست تھی، گھر کی خواتین کے دل میں یہ خیال آیا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے، فرشی نشست کا زمانہ نہیں رہا، اس لئے آکر مولانا سے کہا کہ اب آپ یہ فرشی نشست ختم کردیں اور صوفے وغیرہ لگادیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ مجھے تو نہ صوفے کا شوق ہے اور نہ مجھے اس پر آرام ملتا ہے، مجھے فرش پر بیٹھ کر آرام ملتا ہے، میں تو اسی پر بیٹھ کر کام کروں گا۔ خواتین نے کہا کہ آپ کو اس پر آرام ملتا ہے مگر دنیا والوں کا کچھ خیال کرلیا کریں، جو آپ کے پاس ملنے کے لئے آتے ہیں ان کا ہی کچھ خیال کرلیں۔ اس پر حضرت مولانا نے کیا عجیب جواب دیا، فرمایا : بی بی! دنیا والوں کا تو میں خیال کرلوں، لیکن یہ تو بتاؤ کہ دنیا والوں نے میرا کیا خیال کرلیا؟ میری وجہ سے کسی نے اپنے طرز زندگی میں، یا کسی نے اپنے کسی کام میں کوئی تبدیلی لائی؟ جب انہوں نے میرا خیال نہیں کیا تو میں ان کا کیوں خیال کروں؟

دنیا والوں کے بُرا ماننے کی پرواہ مت کرو

لہٰذا جس کے دل میں تمہارے پردے کا احترام نہیں، جس کے دل میں تمہارے پردے کی وقعت اور عظمت نہیں، وہ اگر تمہارا خیال نہیں کرتا تو تم ان کا خیال کیوں کرتی ہو؟ حالانکہ اگر ایک بے پردہ عورت، عورتوں کے لئے علیحدہ انتظام کی ہوئی جگہ میں آکر بیٹھ جائے، اور مردوں کے سامنے نہ آئے، تو اس میں اس کا کوئی نقصان اور کوئی خرابی نہیں، لیکن اگر پردہ دار عورت مردوں کے سامنے چلی جائے، تو اس پر قیامت گزر جائے گی _____ اگر پردہ کا انتظام نہ ہونے کے باوجود تم صرف اس لئے جاتی ہو تاکہ وہ بُرا نہ مانیں، کہیں ان کو بُرا نہ لگ جائے۔ ارے، کبھی تم بھی تو بُرا مانا کرو کہ ہم اس بات کو برا مانتے ہیں کہ ہمیں ایسی دعوت میں کیوں بلایا جارہا ہے، ہمارے لئے ایسی دعوتیں کیوں کی جاتی ہیں جس میں پردہ کا انتظام نہیں ہے۔ یاد رکھو! جب تک یہ نہیں کریں گی، یہ سیلاب نہیں رُکے گا۔

ان مردوں کو باہر نکال دیا جائے

جہاں تقریبات میں بظاہر خواتین کا انتظام علیحدہ بھی ہے، مردوں کے لئے علیحدہ شامیانے ہیں، اور عورتوں کے لئے علیحدہ، لیکن اس میں بھی یہ ہوتا ہے کہ عورتوں والے حصے میں بھی مردوں کا ایک طوفان ہوتا ہے، مرد آرہے ہیں جارہے ہیں، ہنسی مذاق ہورہا ہے، دل لگی ہورہی ہے، فلمیں بن رہی ہیں، یہ سب کچھ ہورہا ہے اور بظاہر دیکھنے میں الگ انتظام ہے۔ ایسے موقع پر خواتین کھڑے ہوکر کیوں یہ نہیں کہتیں کہ مرد یہاں کیوں آرہے ہیں؟ ہم پردہ نشین خواتین ہیں، لہٰذا ان مردوں کو باہر نکالا جائے۔

دین پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے اور پھر خاموشی!

شادی بیاہ میں بہت سے معاملات پر لڑائی جھگڑے ہوجاتے ہیں۔ اور اس بات پر ناراضگیاں ہوجاتی ہیں کہ ہمارا فلاں جگہ پر خیال نہیں کیا' اور ہمارا فلاں جگہ پر خیال نہیں کیا' اسی پر لڑائی جھگڑے کھڑے ہوجاتے ہیں' اور ایک دوسرے کے ساتھ تلخیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ تم اگر پردہ نشین خاتون ہو تو اور چیزوں پر ناراضگی کا اظہار نہ کرو' اگر تمہاری زیادہ آؤ بھگت نہیں ہوئی تو اس پر ناراضگی کا اظہار نہ کرو' لیکن جب تمہارے دین پر ڈاکہ ڈالا جائے تو وہاں تمہارے لئے خاموش رہنا جائز نہیں' کھڑے ہوکر بھری تقریب میں کہہ دو کہ یہ چیز ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ جب تک کچھ مرد اور خواتین اس بات کا تہیہ نہیں کرلیں گے اس وقت تک یاد رکھو! حیاء کا تحفظ نہیں ہوسکے گا' اور یہ سیلاب بڑھتا چلا جائے گا۔

ورنہ عذاب کے لئے تیار ہو جاؤ

بہرحال! ہم لوگ جو کم از کم دین کا نام لیتے ہیں' جب تک اس کا عزم اور تہیہ نہیں کرلیں گے' اس وقت تک یہ سیلاب نہیں رُکے گا۔ خدا کے لئے اس کا عزم کرلیں' ورنہ پھر اللہ کے عذاب کے لئے تیار رہیں' کسی کے اندر اگر اس عذاب کے سہارنے کی ہمت ہے تو وہ اس کے لئے تیار ہوجائے' یا پھر اس کا عزم کرلیں۔

اپنا ماحول خود بناؤ

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ بڑے

کام کی بات فرمایا کرتے تھے۔ یاد رکھنے کی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ :

"تم کہتے ہو کہ ماحول خراب ہے' معاشرہ خراب ہے' ارے تم اپنا ماحول خود بناؤ' تمہارے تعلقات ایسے لوگوں سے ہونے چاہئیں جو ان اصولوں میں تمہارے ہم نوا ہوں۔ جو لوگ ان اصولوں میں تمہارے ہم نوا نہیں' ان کا راستہ الگ ہے' اور تمہارا راستہ الگ ہے۔ لہٰذا اپنا ایک ایسا حلقہ احباب تیار کرو جو ایک دوسرے کے ساتھ ان معاملات میں تعاون کے لئے تیار ہو۔ اور ایسے لوگوں سے تعلق گھٹاؤ جو ایسے معاملات میں تمہارے راستے میں رکاوٹ ہیں"۔

آزادانہ میل جول کے نتائج

بہرحال! عورت کے گھر سے باہر نکلنے پر ایک خرابی تو یہ ہوئی کہ فیملی سسٹم تباہ ہو گیا' اور دوسری خرابی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے دل میں عورت کی کشش رکھی ہے' اور عورت کے دل میں مرد کی کشش رکھی ہے' یہ فطری بات ہے' آپ اس پر کتنے بھی پردے ڈالیں' لیکن یہ ایک حقیقت ہے' جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ تو جب ان دونوں کے درمیان آزادانہ میل جول ہوگا' اور آزادانہ اجتماع ہوگا اور ہر وقت میل ملاپ ہوگا' اور ہر وقت ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو وہ کشش جو انسان کے اندر فطری طور پر موجود ہے' کسی نہ کسی وقت رنگ لا کر گناہ پر آمادہ کرے گی۔ اور اس کے نتیجے میں وہ یقیناً گناہ کی طرف بڑھیں گے۔ آپ اپنی اسی سوسائٹی میں رہتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہاں مرد اور عورت کے آزادانہ میل جول کے نتیجے میں کیا ہو رہا ہے۔ یہاں اس وقت اس ملک میں کوئی مرد یا عورت ناجائز طریقے سے اپنی جنسی

تسکین کرنا چاہے تو اس کے دروازے چوپٹ کھلے ہیں' کوئی قانون ان کو روکنے والا نہیں ہے' کوئی معاشرہ ان کو روکنے والا نہیں ہے' کوئی معاشرتی رکاوٹ ان پر عائد نہیں' لیکن اس کے باوجود اس ملک (امریکہ) میں زنا بالجبر کے واقعات ساری دنیا سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ کل ہی کے اخبار میں میں نے پڑھا کہ اس ملک (امریکہ) میں ہر ۴۶ سیکنڈ پر ایک زنا بالجبر کا واقعہ رونما ہوتا ہے۔ اب بتایئے کہ جس ملک میں رضامندی کے ساتھ جنسی خواہش پوری کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہو' اس کے باوجود زنا بالجبر اتنی کثرت سے ہو رہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جنسی خواہش کی تسکین کا راستہ کیا ہے؟

وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان اپنی فطری حدود سے باہر نکل گیا ہے' جب تک انسان فطری حدود کے اندر رہ کر جنسی خواہشات کی تسکین کا راستہ اختیار کرے گا' اس وقت تک انسان جنسی خواہشات کی تکمیل کے ذریعہ سکون حاصل کرے گا۔ لیکن جب وہ فطری حدود سے آگے بڑھے گا تو پھر وہ جنسی خواہش ایک نہ مٹنے والی بھوک اور نہ بجھنے والی پیاس میں تبدیل ہو جاتی ہے' پھر وہ ایسی بھوک ہے جو کبھی نہیں مٹتی۔ اور ایسی پیاس ہے جو کبھی نہیں بجھتی' اور اس کے بعد پھر انسان کسی ایک حد پر جا کر قانع نہیں ہوتا' بلکہ وہ مزید کا طلب گار رہتا ہے۔

اس لئے مرد اور عورت کے آزادانہ میل جول کا وہی نتیجہ ہوگا جو آپ دیکھ رہے ہیں' اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ اس حکم سے بغاوت کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ :

﴿ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ ﴾

اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔ آج ہم یہ حکم چھوڑ کر دوسرے راستے پر چل پڑے ہیں۔

ضرورت کے وقت گھر سے باہر جانے کی اجازت

البتہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر عورت بھی ایک انسان ہے' اس کو بھی گھر سے باہر جانے کی ضرورت پیش آسکتی ہے' اس کے دل میں بھی گھر سے باہر نکلنے کی خواہش ہوتی ہے' تاکہ وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے ملاقات کرے' اور بعض اوقات اپنی ذاتی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے بھی باہر نکلنے کی ضرورت ہوتی ہے' اور بعض اوقات اس کو جائز تفریح کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو ان کاموں کے لئے گھر سے باہر جانے کی اجازت ہونی چاہئے۔

خوب سمجھ لیجئے! کہ یہ جو حکم ہے کہ گھر میں قرار سے رہو' اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر میں تالہ لگا کر عورت کو اندر بند کردیا جائے' بلکہ مطلب یہ ہے کہ عورت بلا ضرورت گھر سے نہ نکلے' البتہ ضرورت کے وقت وہ گھر سے باہر بھی جاسکتی ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ نے عورت پر کسی زمانے میں بھی روزی کمانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی' شادی سے پہلے اس کی مکمل کفالت باپ کے ذمے ہے' اور شادی کے بعد اس کی تمام کفالت شوہر کے ذمے ہے' لیکن جس عورت کا نہ باپ ہو' نہ شوہر ہو اور نہ معاشی کفالت کا کوئی ذریعہ موجود ہو' تو ظاہر ہے کہ اس کو معاشی ضرورت کے لئے گھر سے باہر جانا پڑے گا' اس صورت میں باہر جانے کی اجازت ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ جائز تفریح کے لئے بھی گھر سے باہر جانے کی اجازت ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ساتھ گھر سے باہر بھی لے کر گئے۔

کیا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی دعوت ہے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ :

﴿ أعائشة معي؟ ﴾

کیا عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی بھی میرے ساتھ دعوت ہے یا نہیں؟ چونکہ وہ زمانہ سادگی اور بے تکلفی کا تھا، اور اس وقت ان صحابی کے ذہن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلانے کا ارادہ نہیں تھا، اس لئے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ یا رسول اللہ! میں صرف آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صاف جواب دے دیا :

﴿ إذاً فلا ﴾

یعنی اگر عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی دعوت نہیں تو میں بھی نہیں آتا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ صحابی پھر حاضر ہوئے، اور عرض کیا : یا رسول اللہ! میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، آپ نے پھر وہی سوال کیا کہ :

﴿ أعائشة معي؟ ﴾

کیا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی میرے ساتھ دعوت ہے یا نہیں؟ انہوں نے پھر وہی جواب دیا کہ یا رسول اللہ! صرف آپ کی دعوت ہے، آپ نے پھر انکار فرما دیا کہ پھر میں بھی نہیں جاؤں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد تیسری مرتبہ آکر پھر دعوت دی، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ میری دعوت قبول فرمالیں، آپ نے پھر وہی پوچھا کہ :

﴿ أعائشة معي؟ ﴾

کیا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی میرے ساتھ دعوت ہے؟ اب کی مرتبہ انہوں نے کہا:

﴿ نعم! یا رسول اللہ! ﴾

جی ہاں یا رسول اللہ! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی آپ کے ساتھ دعوت ہے، آپ نے فرمایا:

﴿ إذا فنعم! ﴾

اب میں دعوت قبول کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم، کتاب الاطعمۃ، باب مایفعل الضیف اذا اتبعہ غیر من دعاہ صاحب الطعام، حدیث نمبر ۲۰۳۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصرار کی وجہ

روایت میں تو اس کی صراحت نہیں ہے، البتہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا کہ جب کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو آپ ضرور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے جانے کی شرط لگاتے، بلکہ آپ کا معمول یہی تھا کہ جب کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو آپ اس کو قبول فرما لیتے تھے، لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر جو صحابی آپ کی دعوت کر رہے تھے، شاید ان کے دل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے کوئی میل اور کدورت ہوگی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس کدورت کو دور کرنا چاہتے تھے، اس لئے آپ نے بار بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے جانے کی شرط

لگائی۔

بیوی کو جائز تفریح کی بھی ضرورت ہے

یہ دعوت مدینہ طیبہ میں نہیں تھی' بلکہ مدینہ طیبہ سے باہر کچھ فاصلے پر ایک بستی میں یہ دعوت تھی' اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے کر چلے' راستے میں ایک کھلا میدان آیا' جس میں کوئی دوسرا شخص موجود نہیں تھا' اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دوڑ لگائی۔ اب ظاہر ہے کہ دوڑ لگانا ایک جائز تفریح تھی' اس جائز تفریح کا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام فرمایا۔ کیونکہ ایک خاتون کو جائز تفریح کی بھی ضرورت ہوتی ہے' اور اس قسم کی تفریح کی اجازت ہے' بشرطیکہ جائز حدود میں ہو' بے پردگی کے ساتھ نہ ہو' اور غیر محرموں کے ساتھ نہ ہو۔

(ابوداؤد' کتاب الجہاد' باب فی السبق علی الرجل' حدیث نمبر ۲۵۷۸)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کا واقعہ اور دوڑنے کا واقعہ ایک ہی سفر میں پیش آیا' البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں واقعات علیحدہ علیحدہ سفر میں پیش آئے ہیں۔ (میمن)

زیب وزینت کے ساتھ نکلنا جائز نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کی بھی شریعت نے اجازت دی ہے' مگر باہر نکلنے کے لئے یہ شرط لگادی کہ پردے کی پابندی ہونی چاہئے' اور اپنے جسم کی نمائش نہیں ہونی چاہئے' اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ :

﴿ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى ﴾

یعنی اگر کبھی نکلنے کی ضرورت ہو تو اس طرح زیب و زینت کے ساتھ نمائش کرتی ہوئی نہ نکلو' جیسا کہ جاہلیت کی عورتیں نکلا کرتی تھیں' اور ایسی آرائش اور زیب و زینت کے ساتھ نہ نکلو جس سے لوگوں کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو' بلکہ حجاب کی پابندی کے ساتھ پردہ کر کے نکلو' اور جسم ڈھیلے ڈھالے لباس میں چھپا ہوا ہو۔ ہمارے زمانے میں تو برقع کا رواج ہے' اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چادریں استعمال ہوتی تھیں' اور وہ چادریں سر سے لے کر پاؤں تک پورے جسم کو چھپا لیتی تھیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت تو دی گئی' لیکن اس کے باہر نکلنے سے فتنے کا اندیشہ ہے' اور اس فتنے کا سدِّباب پردہ کے ذریعہ ہو جائے گا' اس لئے حجاب کا حکم عائد کیا گیا۔

کیا پردہ کا حکم صرف ازواجِ مطہرات کو تھا؟

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم صرف ازواجِ مطہرات کے لئے تھا۔ اور یہ حکم ان کے علاوہ دوسری عورتوں کے لئے نہیں ہے' اور اسی مندرجہ بالا آیت ہی سے استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت میں خطاب صرف ازواجِ مطہرات کو کیا جا رہا ہے۔ یاد رکھو! یہ بات نقلی اور عقلی ہر اعتبار سے غلط ہے' اس لئے کہ ایک طرف تو اس آیت میں شریعت کے بہت سے احکام دیئے گئے ہیں' مثلاً ایک حکم تو یہی ہے کہ :

﴿ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى ﴾

"جاہلیت کی عورتوں کی طرح خوب زیب و زینت اور آرائش کر کے باہر نہ نکلو"۔

تو کیا یہ حکم صرف ازواجِ مطہّرات کو ہے؟ اور دوسری عورتوں کو اس کی اجازت ہے کہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح زیب وزینت کرکے باہر نکلا کریں؟ ظاہر کہ دوسری عورتوں کو بھی اجازت نہیں۔ اور آگے ایک حکم یہ دیا کہ :

﴿وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ﴾

"اور نماز قائم کرو"۔

تو کیا نماز قائم کرنے کا حکم صرف ازواجِ مطہّرات کے لئے ہے؟ اور دوسری عورتوں کو نماز کا حکم نہیں؟ اور اس کے بعد ایک حکم یہ دیا گیا کہ :

﴿وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ﴾

"اور زکوٰۃ ادا کرو"۔

تو کیا زکوٰۃ کا حکم صرف ازواجِ مطہّرات کو ہے؟ دوسری عورتوں کو نہیں؟ اور آگے فرمایا کہ :

﴿وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ﴾

"اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو"۔

تو کیا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم صرف ازواجِ مطہّرات کو ہے؟ دوسری عورتوں کو نہیں ہے؟ پوری آیت کا سیاق وسباق یہ بتا رہا ہے کہ اس آیت میں جتنے احکام ہیں' وہ سب کے لئے عام ہیں' اگرچہ براہِ راست خطاب ازواجِ مطہّرات کو ہے' لیکن ان کے واسطے سے پوری امت کی عورتوں کو خطاب ہے۔

یہ پاکیزہ خواتین تھیں

دوسری بات یہ ہے کہ حجاب اور پردے کا مقصد یہ تھا کہ معاشرے کے اندر بے پردگی کے نتیجے میں جو فتنہ پیدا ہو سکتا ہے اس کا سدِّباب کیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا فتنہ صرف ازواجِ مطہرات کے باہر نکلنے سے پیدا ہوگا؟ معاذاللہ! وہ ازواجِ مطہرات کہ ان جیسی پاکیزہ خواتین اس روئے زمین پر پیدا نہیں ہوئیں، کیا انہیں سے فتنے کا خطرہ تھا؟ کیا دوسری عورتوں کے نکلنے سے فتنے کا اندیشہ نہیں ہے؟ تو جب ازواجِ مطہرات کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ تم پردہ کے ساتھ نکلو تو دوسری عورتوں کو یہ حکم بطریق اولی دیا جائے گا، اس لئے کہ ان سے فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہے۔

پردہ کا حکم تمام خواتین کو ہے

اس کے علاوہ دوسری آیت میں پوری امتِ مسلمہ سے خطاب ہے۔ فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۔ (سورة الاحزاب: ۵۹)

"اے نبی! اپنی بیویوں سے بھی کہہ دو، اور اپنی بیٹیوں سے بھی کہہ دو، اور تمام مومنوں کی عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ اپنے چہروں پر اپنی چادریں لٹکالیا کریں"۔

اس سے زیادہ صاف اور واضح حکم کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ "جلابیب" جمع ہے۔ "جلباب" کی اور "جلباب" اس چادر کو کہا جاتا ہے جس میں سر سے پاؤں

تک عورت کا پورا جسم اس میں چھپا ہوا ہو۔ اور پھر قرآن کریم نے صرف چادر پہننے کا حکم نہیں دیا، بلکہ لفظ "یُدْنِیْنَ" لائے، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چادر آگے ڈھلکالیں، تاکہ چہرہ بھی نمایاں نہ ہو، اور اس چادر میں چھپ جائے۔ اب اس سے زیادہ واضح اور کیا حکم ہو سکتا ہے۔

حالتِ احرام میں پردہ کا طریقہ

آپ کو معلوم ہے کہ حج کے موقع پر احرام کی حالت میں عورت کے لئے کپڑے کو چہرے پر لگانا جائز نہیں، مرد سر نہیں ڈھک سکتے، اور عورتیں چہرہ نہیں ڈھک سکتیں، تو جب حج کا موسم آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کو حج کرانے کے لئے تشریف لے گئے، اس وقت یہ مسئلہ پیش آیا کہ ایک طرف تو پردہ کا حکم ہے، اور دوسری طرف یہ حکم ہے کہ حالتِ احرام میں کپڑا منہ پر نہ لگنا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم حج کے سفر پر اونٹ پر بیٹھ کر جا رہی تھیں تو ہم نے اپنے اپنے ماتھے پر ایک لکڑی لگائی ہوئی تھی، تو راستے میں جب سامنے کوئی اجنبی نہ ہوتا تو ہم اپنے نقاب الٹے رہنے دیتیں، اور جب کوئی قافلہ یا اجنبی مرد سامنے آتا دکھائی دیتا تو ہم اپنا نقاب اس لکڑے پر ڈال دیتیں، تاکہ وہ نقاب چہرے پر نہ لگے، اور پردہ بھی ہو جائے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام کی حالت میں بھی ازواجِ مطہرات نے پردہ کو ترک نہیں فرمایا۔

(ابوداؤد کتاب الحج، باب فی المحرمۃ تغطی وجہہا حدیث نمبر ۱۸۳۳)

ایک خاتون کا پردہ کا اہتمام

ابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک خاتون کا بیٹا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گیا ہوا تھا، جنگ کے بعد تمام مسلمان واپس آئے،

لیکن اس کا بیٹا واپس نہیں آیا' اب ظاہر ہے کہ اس وقت ماں کی بے تابی کی کیا کیفیت ہوگی' اور اس بے تابی کے عالم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پوچھنے کے لئے دوڑیں کہ میرے بیٹے کا کیا بنا؟ اور جاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میرے بیٹے کا کیا ہوا؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ تمہارا بیٹا تو اللہ کے راستے میں شہید ہوگیا۔ اب بیٹے کے مرنے کی اطلاع اس پر بجلی بن کر گری' اس اطلاع پر اس نے جس صبروضبط سے کام لیا' وہ اپنی جگہ ہے' لیکن اسی عالم میں کسی شخص نے اس خاتون سے یہ پوچھا کہ اے خاتون! تم اتنی پریشانی کے عالم میں اپنے گھر سے نکل کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں' اس حالت میں بھی تم نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالا ہوا ہے؟ اور اس وقت بھی نقاب ڈالنا نہیں بھولیں؟ جواب میں اس خاتون نے کہا کہ :

﴿ ان ارزأ ابنی فلن ارزأ حیائی ﴾

"میرا بیٹا تو فوت ہوا ہے' لیکن میری حیاء تو فوت نہیں ہوئی"۔
یعنی میرے بیٹے کا جنازہ نکلا ہے' لیکن میری حیاء کا جنازہ تو نہیں نکلا۔ تو اس حالت میں بھی پردہ کا اتنا اہتمام فرمایا۔

(ابوداؤد کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم علی غیرھم من الامم۔ حدیث نمبر ۲۴۸۸)

اہل مغرب کے طعنوں سے مرعوب نہ ہوں

عرض یہ کرنا تھا کہ حجاب کا یہ حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمایا' اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس کی تفصیل بیان فرمائی' اور ازواجِ مطہرات اور صحابیات نے اس حکم پر عمل کرکے دکھایا۔ اب اہلِ مغرب نے یہ پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ مسلمانوں نے عورتوں کے ساتھ بڑا

ظالمانہ سلوک کیا ہے کہ ان کو گھروں میں بند کردیا' ان کے چہروں پر نقاب ڈال دی' اور ان کو ایک کارٹون بنا دیا۔ تو کیا مغرب کے اس مذاق اور پروپیگنڈے کے نتیجے میں ہم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام کو چھوڑ دیں؟ یاد رکھو! جب ہمارے اپنے دلوں میں یہ ایمان اور اعتماد پیدا ہو جائے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو طریقہ سیکھا ہے' وہی طریقہ برحق ہے تو پھر اہلِ مغرب کے طعنوں کی پرواہ نہیں' کوئی مذاق اڑاتا ہے تو اڑایا کرے' کوئی طعنے دیتا ہے تو دیا کرے' یہ طعنے تو مسلمان کے گلے کا زیور ہیں' انبیاء علیہم السلام جو اس دنیا میں تشریف لائے' کیا انہوں نے کچھ کم طعنے سہے؟ جتنے انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے' ان کو یہ طعنے دیئے گئے کہ یہ تو پسماندہ لوگ ہیں' یہ دقیانوس اور رجعت پسند ہیں' یہ ہمیں زندگی کی راحتوں سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سارے طعنے انبیاء کو دیئے گئے۔ اور تم جب مؤمن ہو تو انبیاء کے وارث ہو' اور جس طرح وراثت میں دوسری چیزیں ملتی ہیں' یہ طعنے بھی ملیں گے' کیا اس وراثت سے گھبرا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کار کو چھوڑ دو گے؟ اگر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے تو پھر ان طعنوں کو سننے کے لئے کمر کو مضبوط کر کے بیٹھنا ہو گا۔

پھر بھی تیسرے درجے کے شہری رہو گے

اور اگر فرض کرو کہ ان طعنوں کے نتیجے میں ان کے کہنے پر عمل کر لیا' پھر بھی تیسرے درجے کے شہری رہو گے۔ وہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو گھر میں مت بٹھاؤ اور ان کو پردہ نہ کراؤ' حجاب نہ کراؤ' اب آپ نے ان کی بات مانتے ہوئے اس پر عمل کر لیا' اور عورتوں کو گھر سے باہر نکال دیا' ان کا پردہ بھی اتار دیا' دوپٹہ بھی اتار دیا' سبھی کچھ کر لیا' لیکن کیا انہوں نے یہ مان لیا کہ تم ہمارے ہو؟ اور کیا انہوں نے تمہیں وہی حقوق دے دیئے؟ کیا تمہیں وہی عزت دے

دی؟ نہیں، بلکہ اب بھی تم رجعت پسند اور دقیانوس ہو۔ اور اب بھی جب تمہارا نام آئے گا تو طعنوں کے ساتھ آئے گا، اگر تم نے سر سے لے کر پاؤں تک ہر چیز میں ان کی بات مان لی، پھر بھی تم تیسرے درجے کے شہری رہو گے۔

کل ہم ان کا مذاق اڑائیں گے

لیکن اس کے برخلاف اگر تم نے ان طعنوں سے ایک مرتبہ صرف نظر کرلی، اور یہ سوچا کہ یہ لوگ تو طعنے دیا ہی کریں گے، اور برا کہتے ہی رہیں گے، لیکن ہمیں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلنا ہے، اور ازواجِ مطہرات کے راستے پر چلنا ہے تو پھر ہزاروں طعنے دیں، اور ہمارا مذاق اڑائیں، اور ہم پر ہنسیں ہمیں پرواہ نہیں۔ لیکن ایک دن آئے گا کہ ہم ان پر ہنسیں گے، چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا کہ :

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ (سورۃ المطففین: ۳۴)

کفار کے بارے میں فرمایا کہ یہ کفار مسلمانوں کے ساتھ دنیا میں تو یہ معاملہ کرتے تھے کہ ان کو دیکھ کر ان کی ہنسی مذاق اڑاتے تھے، اور جب ان کے پاس سے کوئی مسلمان گزرتا تو یہ لوگ ایک دوسرے کو اشارے کرتے کہ دیکھو مسلمان جارہا ہے۔ لیکن جب آخرت کا مرحلہ آئے گا تو یہ ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے، اور صوفوں پر بیٹھ کر ان کو دیکھ رہے ہوں گے، انشاء اللہ۔ یہ دنیا کی زندگی کتنے دن کی ہے؟ یہ کفار کتنے دن ہنسی مذاق اڑائیں گے؟ جس دن آنکھ بند ہوگی، اس دن معلوم ہوگا کہ جو لوگ مذاق اڑاتے تھے، ان کا انجام کیا ہوا؟ اور جن کا مذاق اڑایا جاتا تھا ان کا انجام کیا ہوا؟ اس لئے بجائے اس کے کہ ہم اس ہنسی سے مرعوب ہو کر اپنا راستہ چھوڑ دیں اور اپنے طریقے کو خیر آباد کہہ

دیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواجِ مطہرات کا راستہ اپنائیں۔ کیونکہ نجات کا راستہ صرف یہی ہے۔ لہٰذا کفار ہنسیں، مذاق اڑائیں، طعنہ دیں، جو کچھ چاہیں کریں، لیکن ہم اپنا طریقہ چھوڑنے والے نہیں۔

عزّت اسلام کو اختیار کرنے میں ہے

یاد رکھو! جو شخص اس کام کے لئے ہمّت کرکے اپنی کمر باندھ لیتا ہے، وہی شخص دنیا سے اپنی عزّت بھی کراتا ہے۔ عزّت درحقیقت اسلام کو چھوڑنے میں نہیں ہے، بلکہ اسلام کو اختیار کرنے میں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ:

﴿ ان اللہ قد اعزنا بالاسلام ﴾

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ عزّت دی ہے وہ اسلام کی بدولت دی ہے"۔
اگر ہم اسلام کو چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں عزّت کے بجائے ذلّت سے ہمکنار کردیں گے۔

داڑھی بھی گئی، اور ملازمت بھی نہیں ملی

میرے ایک بزرگ نے ایک سچّا واقعہ سنایا، جو بڑی عبرت کا واقعہ ہے، وہ یہ کہ ان کے ایک دوست لندن میں تھے، اور کسی ملازمت کی تلاش میں تھے، ملازمت کے لئے ایک جگہ انٹرویو دینے کے لئے گئے، اس وقت ان کے چہرے پر داڑھی تھی، جو شخص انٹرویو لے رہا تھا اس نے کہا کہ داڑھی کے ساتھ یہاں کام کرنا مشکل ہے، اس لئے یہ داڑھی ختم کرنی ہوگی۔ اب یہ بڑے پریشان ہوئے کہ میں اپنی داڑھی ختم کروں یا نہ کروں۔ اس وقت تو وہ واپس چلے آئے، اور دو تین روز تک دوسری جگہوں پر ملازمت تلاش کرتے رہے اور کشمکش میں

مبتلا رہے' دوسری ملازمت نہیں مل رہی تھی اور بے روزگار اور پریشان بھی تھے' آخر میں فیصلہ کرلیا کہ چلو داڑھی کٹوا دیتے ہیں' تاکہ ملازمت تو مل جائے' چنانچہ داڑھی کٹوادی اور اسی جگہ ملازمت کے لئے پہنچ گئے۔ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے کہا تھا کہ یہ داڑھی کٹوا دو تو تمہیں ملازمت مل جائے گی تو میں داڑھی کٹوا کر آیا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ آپ مسلمان ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! اس نے پھر پوچھا کہ آپ اس داڑھی کو ضروری سمجھتے تھے یا غیر ضروری سمجھتے تھے؟ جواب دیا کہ میں اس کو ضروری سمجھتا تھا اور اسی وجہ سے رکھی تھی۔ اس نے کہا کہ جب آپ جانتے تھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے' اور اللہ کے حکم کے تحت داڑھی رکھی تھی' اور اب آپ نے صرف میرے کہنے کی وجہ سے اللہ کے حکم کو چھوڑ دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ کے وفادار نہیں' اور جو شخص اپنے اللہ کا وفادار نہ ہو' وہ اپنے افسر کا بھی وفادار نہیں ہو سکتا' لہٰذا اب ہم آپ کو ملازمت پر رکھنے سے معذور ہیں۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ "داڑھی بھی گئی' اور ملازمت بھی نہ ملی"۔

صرف داڑھی نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے جتنے احکام ہیں' ان میں کسی کو یہ سوچ کر چھوڑنا کہ لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے' یہ بسا اوقات دنیا و آخرت دونوں کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔

چہرے کا بھی پردہ ہے

"حجاب" کے بارے میں اتنی بات ضرور عرض کروں کہ "حجاب" میں اصل بات یہ ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک پورا جسم چادر سے یا برقع سے یا کسی ڈھیلے ڈھالے گون سے ڈھکا ہوا ہو' اور بال بھی ڈھکے ہوئے ہوں' اور چہرے کا حکم یہ ہے کہ اصلاً چہرے کا بھی پردہ ہے' اس لئے چہرے پر بھی نقاب ہونا چاہئے۔ اور یہ آیت جو میں نے ابھی تلاوت کی کہ :

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں خواتین یہ کرتی تھیں کہ چادر اپنے اوپر ڈال کر اس کا ایک پلّہ چہرے پر ڈال لیتی تھیں، اور صرف آنکھیں کھلی رہتی تھیں، اور باقی چہرہ چادر کے اندر ڈھکا ہوتا تھا، تو "حجاب" کا اصل طریقہ یہ ہے، البتہ چونکہ ضروریات بھی پیش آتی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے چہرے کی حد تک یہ گنجائش دی ہے کہ جہاں چہرہ کھولنے کی شدید ضرورت داعی ہو، اس وقت صرف چہرہ کھولنے اور ہاتھوں کو گٹوں تک کھولنے کی اجازت ہے، ورنہ اصل حکم یہی ہے کہ چہرہ سمیت پورا جسم ڈھکا ہونا چاہئے۔

مَردوں کی عقلوں پر پردہ پڑ گیا

بہرحال! یہ "حجاب" کے مختصر احکام ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت کی پاکیزہ اور پارسا زندگی کے لئے حجاب ایک بنیادی اہمیت رکھتا ہے، لہٰذا مَردوں کا فرض ہے کہ وہ خواتین کو اس پر آمادہ کریں اور خواتین کا فرض ہے کہ وہ اس کی پابندی کریں۔ اس وقت بہت زیادہ افسوس ہوتا ہے جب بعض اوقات خواتین "حجاب" کرنا چاہتی ہیں لیکن مرد راستے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اکبر الہ آبادی مرحوم نے بڑا اچھا قطعہ کہا ہے کہ:

بے پردہ کل جو نظر آئیں چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو ان سے پردہ تمہارا وہ کیا ہوا
کہنے لگیں عقل پہ مَردوں کی پڑ گیا

آج حقیقت میں پردہ مردوں کی عقلوں پر پڑ گیا ہے' وہ پردے کے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو غلط خیالات سے نجات عطا فرمائیں' اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں' آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دین کی حقیقت

تسلیم و رضا

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

دین کا سارا کھیل یہ ہے کہ کسی خاص عمل کا نام دین نہیں، اپنا شوق پورا
کرنے کا نام دین نہیں، اپنے معمولات پورا کرنے کا نام دین نہیں۔ بلکہ
دین ان کی اتباع کا نام ہے۔ وہ جیسا کہیں، ویسا کرنے کا نام
دین ہے، ان کو جو چیز پسند ہے اس کو اختیار کرنے کا نام دین ہے
اپنے آپ کو ان کے حوالے کردینے کا نام دین ہے

دین کی حقیقت

تسلیم و رضا

الحمد لله نحمده ونستعینه ونستغفره ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یهده الله فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له۔ واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له واشهد ان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلی اللہ تعالیٰ علیه وعلی آله واصحابه وبارک وسلم تسلیما کثیرا۔

اما بعد!

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنه قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا مرض العبد او سافر کتب له مثل ما کان یعمل مقیما صحیحا۔

(صحیح بخاری کتاب الجهاد باب یکتب للمسافر مثل ما کان یعمل فی الاقامة، حدیث نمبر ۲۹۹۲)

بیماری اور سفر میں نیک اعمال کا لکھا جانا

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلہ صحابہ اور فقہا صحابہ میں سے ہیں، اور ان حضرات میں سے ہیں جنہوں نے دو مرتبہ ہجرت فرمائی۔ ایک مرتبہ حبشہ کی طرف، اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ کی طرف، وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے۔ یا سفر کی حالت میں ہوتا ہے تو جو عبادات اور نیک اعمال صحت کی حالت میں یا اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ جب بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ چھوٹ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ وہ سارے اعمال اس کے نامہ اعمال میں لکھتے رہتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ اعمال نہیں کر پا رہا ہے، اس لئے کہ اگر وہ تندرست ہوتا، یا اپنے گھر میں ہوتا تو یہ اعمال کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی بڑی تسلی اور نعمت کی بات بتادی کہ بیماری میں معذوری اور مجبوری کی وجہ سے جب معمولات چھوٹ رہے ہیں تو اس پر بہت صدمہ کرنے کی ضرورت نہیں، کہ اگر تندرست ہوتا تو یہ کام کرلیتا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو لکھ رہے ہیں۔

نماز کسی حالت میں معاف نہیں

۔ لیکن اس کا تعلق صرف نفلی عبادت سے ہے۔ جو عبادات فرض ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے جو تخفیف کر دی۔ اس تخفیف کے ساتھ ان کو انجام دینا ہی ہے۔ مثلاً نماز ہے۔ انسان کتنا ہی بیمار ہو۔ بستر مرگ پر ہو۔ اور مرنے کے قریب ہو۔ تب بھی نماز ساقط نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آسانی تو فرمادی کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھ لو۔ وضو نہیں کر سکتے تو تیمم کر لو۔ اگر کپڑے پاک رکھنا بالکل ممکن نہیں تو اسی حالت میں پڑھ لو، لیکن نماز کسی حالت میں معاف نہیں۔ جب تک انسان کے دم میں دم ہے۔ ہاں! اگر کوئی بے ہوش ہو جائے۔ یا غشی طاری ہو جائے۔ اور اسی حالت میں چھ نمازوں کا وقت گزر جائے تو اس وقت نماز معاف ہو جاتی ہے، لیکن جب تک ہوش میں ہے۔ اور دم میں دم ہے۔ اس

وقت تک نماز معاف نہیں۔

بیماری میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان بیمار ہوا۔ اور اب کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے۔ بیٹھ کر پڑھنے کی قدرت نہیں تو لیٹ کر پڑھ رہا ہے۔ ایسے موقع پر بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ دل تنگ کرتے رہتے ہیں۔ کہ اس حالت میں اب کھڑے ہو کر پڑھنے کا موقع نہیں مل رہا ہے۔ اور بیٹھ کر پڑھنے کا بھی موقع نہیں مل رہا ہے۔ لیٹے لیٹے نماز پڑھ رہا ہوں۔ پتہ نہیں کہ وضو بھی ٹھیک ہو رہا ہے یا نہیں۔ تیمم بھی صحیح ہو رہا ہے یا نہیں، ان چیزوں میں پریشان رہتے ہیں۔ حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تسلی دے رہے ہیں کہ جب تم مجبوری کی وجہ سے ان چیزوں کو چھوڑ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے نامہ اعمال میں لکھ رہے ہیں جو تندرستی کی حالت میں تم کیا کرتے تھے۔

اپنی پسند کو چھوڑ دو

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ یحب ان توتی رخصہ کما یحب ان توتی عزائمہ"

(مجمع الزوائد، جلد ۳ صفحہ ۱۶۲)

یعنی جس طرح عزیمت جو اعلیٰ درجے کا کام ہے اس پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اسی طرح مجبوری کی وجہ سے اگر رخصت پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی پسند کرتے ہیں۔ لہذا اپنی پسند کی فکر نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو جو حالت پسند ہے۔ وہی حالت مطلوب ہے۔

آسانی اختیار کرنا سنت ہے

بعض لوگوں کی طبیعت سخت کوشی کی ہوتی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مشقت کا کام کریں۔ بلکہ مشقت ڈھونڈتے ہیں، اس لئے ڈھونڈتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس

میں زیادہ ثواب ہے، چونکہ بہت سے بزرگوں سے بھی اس قسم کی باتیں منقول ہیں۔ لہذا ان کی شان میں کوئی گستاخی کا کلمہ نہیں کہنا چاہئے۔ لیکن سنت کا طریقہ وہ نہیں۔ سنت کا طریقہ یہ ہے جو حدیث میں منقول ہے کہ

"ماخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : بین امرین قط الا اخذ ایسرھما"

(صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر ۶۱۲۶)

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان تر کو اختیار فرماتے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آسانی اختیار کرنا۔ معاذ اللہ۔ تن آسانی کے لئے تھا؟ اور کیا مشقت اور تکلیف سے بچنے کے لئے یا دنیاوی راحت اور آرام حاصل کرنے کے لئے تھا؟ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ تن آسانی اور راحت و آرام حاصل کرنے کے لئے آسان راستہ اختیار فرماتے تھے۔ لہذا اس کی وجہ وہی ہے کہ آسان راستہ اختیار کرنے میں عبدیت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری نہیں ہے۔ بلکہ شکستگی ہے، میں تو عاجز بندہ ہوں، ناکارہ ہوں۔ میں تو آسان راستہ اختیار کرتا ہوں۔ یہ بندگی کا اظہار ہے، اور اگر مشکل راستہ اختیار کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری جتاتا ہے۔

دین "اتباع" کا نام ہے

دین کی ساری بنیاد یہ ہے کہ کسی خاص عمل کا نام دین نہیں۔ کسی خاص شوق کا نام دین نہیں۔ اپنے معمولات پورے کرنے کا نام دین نہیں۔ اپنی عادت پوری کرنے کا نام دین نہیں، دین نام ہے ان کی اتباع کا۔ وہ جیسا کہیں ویسا کرنے کا نام دین ہے۔ ان کو جو چیز پسند ہے۔ اس کو اختیار کرنے کا نام دین ہے۔ اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دینے کا نام دین ہے۔ وہ جیسا کرا رہے ہیں۔ وہی بہتر ہے۔ یہ جو صدمہ اور حسرت ہوتی رہتی ہے کہ ہم تو بیمار ہو گئے۔ اس واسطے کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھی جا رہی ہے۔ لیٹ کر پڑھ رہے ہیں۔ یہ صدمہ کرنے کی بات نہیں۔ ارے اللہ تعالیٰ کو

وہی پسند ہے۔ اور جب یہی پسند ہے تو اس وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ یہ کرو۔ اور ان کو ویسا ہی کرنا پسند ہے۔ اگرچہ اس وقت تم کو زبردستی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا پسند ہے۔ لیکن اپنی تجویز کو فنا کر دیجئے۔ اور اللہ جل جلالہ نے جیسا مقدر کر دیا اس پر راضی رہنے کا نام بندگی ہے۔ اپنی طرف سے تجویز کرنا کہ یوں ہوتا تو یوں کر لیتا۔ یہ کوئی بندگی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری مت دکھاؤ

جب اللہ تعالیٰ یہ چاہ رہے ہیں کہ بندہ تھوڑا سا ہائے ہائے کرے۔ تو ہائے ہائے کرو۔ ایک بزرگ دوسرے بزرگ کے پاس عیادت کے لئے گئے تو دیکھا کہ وہ بزرگ بڑی سخت تکلیف میں ہیں، لیکن بجائے کچھ کراہنے کے "اللہ اللہ" اور "الحمد للہ۔ الحمد للہ" کا ورد کر رہے ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا: بھائی! یہ تمہارا "الحمد للہ" کرنا بڑا قابل مبارک باد ہے۔ لیکن یہ موقع اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا ہے کہ "یا اللہ! مجھے عافیت عطا فرما دیجئے" اس وقت میں "الحمد للہ" کہنا، یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری دکھانا ہے کہ اللہ میاں! آپ تو مجھے بیمار کر رہے ہیں۔ لیکن میں اتنا بہادر ہوں کہ میری زبان پر کبھی آہ نہیں آئے گی۔ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری دکھانا یہ کوئی بندگی نہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے شکستگی دکھانا بندگی ہے۔ وہ جب چاہ رہے ہیں کہ بندہ تھوڑا سا ہائے ہائے کر کے پکارے۔ تو عاجز اور بے بس بن کر اللہ میاں کو پکارو۔ کیسے پکارو؟ جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے پکارا تھا کہ:

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝

(سورۃ الانبیاء: ۸۳)

پیغمبر سے زیادہ کون بہادر ہوگا۔ اتنی زبردست بیماری اور اتنی زبردست تکلیف، لیکن اللہ میاں کو پکار رہے ہیں کہ "مسنی الضر" اے اللہ! مجھے تکلیف پہنچ گئی ہے۔ "وانت ارحم الراحمین" لہٰذا وہ جب چاہ رہے ہیں کہ ان کو پکارا جائے۔ اور آدمی تھوڑا سا کراہے تو پھر کراہنے میں ہی مزہ ہے۔ وہ جیسا کہیں اسی کے کرنے میں مزہ ہے، اللہ میاں کے سامنے اتنا ضبط بھی اچھا نہیں، یہ بھی بندگی کے خلاف ہے۔

انسان کا اعلیٰ ترین مقام

یاد رکھو! انسان کا اعلیٰ ترین مقام، جس سے اونچا مقام کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ وہ "عبدیت" اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا مقام ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے اوصاف بیان فرمائے، فرمایا کہ:

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا

وَدَاعِيًا إِلَى ٱللَّهِ بِإِذْنِهِۦ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝

(سورۃ الاحزاب: ۴۵، ۴۶)

یعنی ہم نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی اور سراج منیر بنا کر بھیجا دیکھئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے اوصاف ذکر فرمائے۔ لیکن جہاں معراج کا ذکر آیا، اور اپنے پاس بلانے کا ذکر فرمایا۔ وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "عبد" کا لفظ ذکر کیا۔ فرمایا:

"سُبْحَٰنَ ٱلَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ"

(سورۃ بنی اسرائیل: ۱)

یعنی وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو لے گیا" یہاں "شاہد" "مبشر" اور "سراج منیر" کے الفاظ نہیں لائے بلکہ صرف ایک لفظ "عبد" لائے۔ یہ بتلانے کے لئے کہ انسان کا سب سے اونچا مقام عبدیت کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی، شکستگی اور عاجزی کا مقام ہے۔

توڑنا ہے حسن کا پندار کیا؟

ہمارے بڑے بھائی تھے محمد ذکی کیفی مرحوم۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ شعر بہت اچھے کہا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک بہت اچھا شعر کہا ہے۔ لوگ اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھتے۔ اسی بات کو انہوں نے بڑے خوبصورت پیرائے میں کہا ہے۔ کہتے ہیں کہ:۔

اس قدر بھی ضبط غم اچھا نہیں
توڑنا ہے حسن کا پندار کیا؟

(کیفیات ذکی کیفی ص ۱۳۱)

یہ جو غم کو اتنا ضبط کر رہے ہو کہ منہ سے "آہ" بھی نہ نکلے "کراہ" بھی نہ نکلے۔ تو کیا تم اس کے پندار کو توڑنا چاہتے ہو۔ جو تمہیں اس غم میں مبتلا کر رہا ہے؟ اس کا پندار توڑنا مقصود ہے؟ اس کے آگے بہادری دکھانا چاہتے ہو؟۔ یہ بندہ کا کام نہیں۔ بندہ کا کام تو یہ ہے کہ جب اس نے ایک تکلیف دی تو اس تکلیف کا تقاضا یہ ہے کہ اس تکلیف کے ازالے کے لئے اس کو پکارا جائے۔ اگر اس نے غم دیا ہے۔ تو اس غم کا اظہار شرعی حدود میں رہ کر کیا جائے۔ جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ جب بچے کا انتقال ہو گیا تو فرمایا:

انا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون۔

"اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی پر بڑے غمگین ہیں"

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انا بک لمحزونون، حدیث نمبر ۱۳۰۳)

بات یہ ہے کہ جس حالت میں اللہ تعالیٰ رکھتے ہیں وہی حالت پسندیدہ ہے۔ جب وہ چاہ رہے ہیں کہ لیٹ کر نماز پڑھو تو پھر لیٹ کر ہی نماز پڑھو۔ اس وقت لیٹ کر پڑھنے ہی میں وہ ثواب اور وہ اجر ہے۔ جو عام حالت میں کھڑے ہو کر پڑھنے میں ہے۔

رمضان کا دن لوٹ آئے گا

ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات نقل فرماتے تھے کہ ایک شخص رمضان میں بیمار ہو گیا۔ اور بیماری کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیا، اب اس کو غم ہو رہا ہے کہ رمضان کا روزہ چھوٹ گیا۔ حضرت" فرماتے ہیں کہ غم کرنے کی کوئی بات نہیں یہ دیکھو کہ تم روزہ کس کے لئے رکھ رہے ہو؟ اگر یہ روزہ اپنی ذات کے لئے رکھ رہے ہو، اپنی خوشی کے لئے اور اپنا شوق پورا کرنے کے لئے روزہ رکھ رہے ہو تو بے شک اس پر صدمہ کرو کہ بیماری آگئی اور روزہ چھوٹ گیا۔ لیکن اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے روزہ رکھ رہے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ بیماری میں روزہ چھوڑ دو۔ تو مقصود پھر بھی حاصل ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے۔

لیس من البر الصیام فی السفر

(صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لیس من البر الصوم فی السفر. حدیث نمبر ۱۹۴۶)

سفر کی حالت میں جب کہ شدید مشقت ہو۔ اس وقت روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں۔ لیکن قضا کرنے کے بعد جب عام دنوں میں روزہ رکھو گے تو اس میں وہ تمام انوار و برکات حاصل ہوں گے جو رمضان کے مہینے میں حاصل ہوتے تھے۔ گویا کہ اس شخص کے حق میں رمضان کا دن لوٹ آئے گا، اور رمضان کے دن روزہ رکھنے میں جو فائدہ حاصل ہوتا۔ وہ فائدہ اس دن قضا کرنے میں حاصل ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر شرعی عذر کی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں۔ مثلاً بیماری ہے سفر ہے۔ یا خواتین کی طبعی مجبوری ہے۔ اس کی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں۔ تو غمگین ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اس وقت میں روزہ چھوڑ دینا اور کھانا پینا ہی اللہ کو پسند ہے، اور لوگوں کو روزہ رکھ کر جو ثواب مل رہا ہے۔ تمہیں روزہ نہ رکھ کر وہی ثواب مل رہا ہے۔ اور عام لوگوں کو بھوکا رہ کر جو ثواب مل رہا ہے۔ تمہیں کھانا کھا کر مل رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ وہی انوار و برکات عطا فرما رہے ہیں۔ جو عام روزہ داروں کو عطا فرما رہے ہیں۔ اور پھر جب بعد میں اس روزے کی قضا کرو گے تو قضا کے دن رمضان کی ساری برکتیں اور سارے انوار حاصل ہوں گے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دل میں رہتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ بیماری کے اندر جو صدمہ ہو رہا ہے کہ "روزہ" چھوٹ گیا، اس صدمہ سے دل ٹوٹا، دل شکستہ ہوا۔ دل کی اس شکستگی کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو نواز دیتے ہیں، چاہے صدموں سے دل ٹوٹے، یا غموں سے ٹوٹے یا افکار سے ٹوٹے، یا خوف خدا سے ٹوٹے۔ یا فکر آخرت سے۔ کسی بھی طرح ہو.. بس جب دل ٹوٹتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمتوں کا مورد بن جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

انا عند المنكسرة قلوبهم من اجلي

میں ان لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوں

(اتحاف :۹/ ۲۹۰)

(اگرچہ محدثین نے حدیث کی حیثیت سے اس کو بے اصل کہا ہے۔ لیکن جو معنی اس میں بیان کیے گئے ہیں وہ صحیح ہیں) دل پر یہ چوٹیں جو پڑتی رہتی ہیں۔ اس طرح کہ کبھی کوئی تکلیف آگئی۔ کبھی کوئی صدمہ آگیا، کبھی کوئی پریشانی آگئی۔ یہ دل کو توڑا جا رہا ہے، کیوں توڑا جا رہا ہے؟ اس کو اس لئے توڑا جا رہا ہے کہ اس کو اپنی رحمتوں اور اپنے فضل و کرم کا مورد بنایا جا رہا ہے۔

تو بچا بچا کر نہ رکھ اسے کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

(اقبال)

یہ دل جتنا ٹوٹے گا، اتنا ہی آئینہ ساز یعنی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں عزیز ہو گا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ ایک شعر سنایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے دل کو توڑتے ہیں۔ تو اس کے ذریعہ اس کو بلندیوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ صدمے، یہ افکار یہ غم جو انسان کو آتے ہیں، یہ مجاہدات اضطراری ہوتے ہیں، جس سے انسان کے درجات میں اتنی ترقی ہوتی ہے کہ عام حالات میں اتنی ترقی نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ شعر اکثر سناتے کہ۔

یہ کہہ کے کاسہ ساز نے پیالہ پٹک دیا
اب اور کچھ بنائیں گے اس کو بگاڑ کے

جب یہ دل ٹوٹ ٹوٹ کر بگڑتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات اور اس کی رحمتوں کا مورد بنتا ہے۔ ایک غزل کا شعر حضرت والا سنایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے۔

ہم ان ملہ وش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
جسے برباد کرتے ہیں اسی کے دل میں رہتے ہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دل میں تجلی فرماتے ہیں۔ اس لئے ان غموں اور صدموں سے ڈرو نہیں، یہ آنسو جو گر رہے ہیں۔ یہ دل جو ٹوٹ رہا ہے۔ یہ آہیں جو نکل رہی ہیں، اگر اللہ جل جلالہ پر ایمان ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی تصدیق دل میں ہے تو یہ سب چیزیں تمہیں کہیں سے کہیں پہنچا رہی ہیں۔

وادیٔ عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود جادہ صد سالہ بہ آہے گاہے

(۔ ۔ ۔)

وادی عشق کا راستہ بڑا لمبا چوڑا راستہ ہے، لیکن بعض اوقات سو سال کا فاصلہ ایک آن میں طے ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس ان صدموں اور غموں اور پریشانیوں سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

دین تسلیم و رضا کے ماسوا کچھ نہیں

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ بات اتار دے کہ دین اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں، اپنی عادت پوری کرنے کا نام دین نہیں۔ دین اس کا نام ہے کہ جس وقت جو کام کرنے کو کہا جا رہا ہے وہ کریں۔ نہ کسی عمل میں کچھ رکھا ہے۔ نہ نماز میں کچھ رکھا ہے۔ نہ روزے میں کچھ رکھا ہے۔ کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا۔ جو کچھ ہے وہ ان کی رضا میں ہے۔۔

عشق تسلیم و رضا کے ماسوا کچھ بھی نہیں
وہ وفا سے خوش نہ ہوں تو پھر وفا کچھ بھی نہیں

(کیفیات۔ ذکی کیفی ۲۰۳)

اللہ تبارک و تعالیٰ جس کام سے خوش ہوں۔ وہی کام کرنے کا ہے۔ اسی کام میں مزہ ہے

نہ تو ہے ہجر ہی اچھا نہ وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

(غالب)

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ بات ہمارے دلوں میں پیوست فرما دے تو دین کو سمجھنے کے راستے کھل جائیں۔

تیمارداری میں معمولات کا چھوٹنا

اور یہ جو بتایا کہ بیماری کی حالت میں اگر معمولات چھوٹ جائیں تو اس پر وہی کچھ

لکھا جارہا ہے جو صحت کی حالت میں کرنے سے ملتا۔ علماء کرام نے فرمایا کہ اس میں جس طرح اپنی بیماری داخل ہے۔ ان لوگوں کی بیماری بھی داخل ہے جن کی تیمار داری اور خدمت انسان کے فرائض میں شامل ہے۔ کسی کے والدین بیمار ہو گئے۔ اب دن رات ان کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ ان کی خدمت میں لگے رہنے کی وجہ سے معمولات چھوٹ گئے، اب نہ تلاوت ہو رہی ہے۔ نہ نوافل ہو رہے ہیں۔ نہ ذکر ہے نہ تسبیح ہے۔ سب کچھ چھوٹا جارہا ہے۔ اور دن رات ماں باپ کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگرچہ خود بیمار نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی جو اعمال چھوٹ رہے ہیں۔ وہ اعمال اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھے جارہے ہیں۔ کیوں؟

وقت کا تقاضہ دیکھو

اس لئے کہ ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ بڑے کام کی بات فرمایا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ بزرگوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے انسان کی زندگی درست کرنے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ فرماتے تھے میاں! ہر وقت کا تقاضہ دیکھو۔ اس وقت کا تقاضہ کیا ہے؟ اس وقت مجھ سے مطالبہ کیا ہے؟ یہ نہ سوچو کہ اس وقت میرا کس کام کو دل چاہ رہا ہے۔ دل چاہنے کی بات نہیں۔ بلکہ یہ دیکھو اس وقت تقاضہ کس کام کا ہے؟ اس تقاضے کو پورا کرو۔ یہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی ہے۔ تم نے تو اپنے ذہن میں بٹھا رکھا تھا کہ روزانہ تہجد پڑھا کروں گا، روزانہ اتنے پارے تلاوت کیا کروں گا۔ روزانہ اتنی تسبیحات پڑھا کروں گا، اب جب ان کاموں کا وقت آیا تو دل چاہ رہا ہے کہ یہ کام میں پورے کروں۔ اور ذہن پر اس کام کا بوجھ ہے۔ اب عین وقت پر گھر میں سے بیمار ہو گئیں۔ اور اس کے نتیجے میں اس کی تیمار داری، علاج اور دوا دارو میں لگنا پڑا۔ اور اس میں لگنے کی وجہ سے وہ معمول چھوٹنے لگا۔ اس وقت بڑا دل کڑھتا ہے کہ کیا ہو گیا۔ میرا تو آج کا معمول قضا ہو جائے گا۔ اس وقت تو میں بیٹھ کر تلاوت کرتا۔ ذکر و اذکار کرتا، اب مارا مارا پھر رہا ہوں کہ کبھی ڈاکٹر کے پاس، کبھی حکیم کے پاس، کبھی دوا خانے، یہ میں کس چکر میں پھنس گیا۔ ارے! اللہ تعالیٰ نے جس چکر میں ڈالا، اس وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ کرو، اگر اس وقت وہ کام چھوٹ کر تلاوت

کرنے بیٹھ جاؤ گے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اب وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ کام کرو۔ اب اسی میں وہ ثواب ملے گا جو تلاوت کرنے میں ملتا۔ اسی میں وہ ثواب ملے گا جو تسبیحات میں ملتا۔ یہ ہے اصل دین۔

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ان حضرات میں سے تھے جن کے قلب پر اللہ تعالیٰ کام کی بات القا فرماتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام دین ہے، اس کا نام دین نہیں کہ فلاں کام کا شوق ہو گیا۔ لہٰذا اب تو وہی کام کریں گے۔ مثلاً علم دین پڑھنے اور عالم بننے کا شوق ہو گیا۔ اس سے قطع نظر کہ تمہارے لئے عالم بننا جائز بھی ہے یا نہیں؟ گھر میں ماں بیمار پڑی ہے، باپ بیمار پڑا ہے۔ اور گھر میں دوسرا کوئی تیمار داری کرنے والا اور ان کی دیکھ بھال کرنے والا موجود نہیں، لیکن آپ کو شوق ہو گیا کہ عالم بنیں گے، چنانچہ ماں باپ کو بیمار چھوڑ کر مدرسہ میں پڑھنے چلے گئے۔ یہ دین کا کام نہیں ہے، یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے۔ دین کا کام تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ چھوڑ کر ماں کی خدمت کرو۔ باپ کی خدمت کرو۔

مفتی بننے کا شوق

یا مثلاً تخصص پڑھنے اور مفتی صاحب بننے کا شوق ہو گیا۔ بہت سے طلبہ مجھ سے کہتے ہیں کہ ہمیں تخصص پڑھنے کا بڑا شوق ہے۔ اور ہم فتویٰ نویسی سیکھنا چاہتے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ آپ کے والدین کا کیا منشا ہے؟ جواب دیا کہ والدین تو راضی نہیں ہیں۔ اب دیکھئے کہ والدین تو راضی نہیں ہیں اور یہ مفتی صاحب بننا چاہتے ہیں۔ یہ دین نہیں ہے، یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے۔

تبلیغ کرنے کا شوق

یا مثلاً تبلیغ کرنے اور چلے میں جانے کا شوق ہو گیا۔ ویسے تو تبلیغ کرنا بڑی فضیلت

اور ثواب کا کام ہے، لیکن گھر میں بیوی بیمار پڑی ہے، کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے۔ اور آپ کو چلّہ لگانے کا شوق ہو گیا، یہ دین نہیں ہے، یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے۔ اب اس وقت دین کا تقاضہ اور وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس بیمار کی تیمارداری کرو، اور اس کا خیال کرو، اور اس کا علاج کرو، یہ دنیا نہیں ہے۔ یہ بھی دین ہے۔

مسجد میں جانے کا شوق

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجلس میں اس پر یہ مثال دی کہ ایک شخص جنگل اور ویرانے میں اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔ اور آس پاس کوئی آبادی بھی نہیں۔ بس میاں بیوی دونوں اکیلے رہتے ہیں۔ اب میاں صاحب کو آبادی کی مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہو گیا، اب بیوی کہتی ہے کہ یہ تو جنگل اور ویرانہ ہے۔ اگر تم نماز پڑھنے آبادی کی مسجد میں چلے گئے تو مجھے اس ویرانے میں ڈر لگے گا۔ اور ڈر کے مارے میری جان نکل جائے گی، اس لئے بجائے مسجد جانے کے آج تم یہیں نماز پڑھ لو ــــ حضرت والا فرماتے ہیں کہ وہ میاں صاحب تو تھے شوقین، چنانچہ شوق میں آکر اپنی بیوی کو وہیں جنگل میں اکیلا چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے۔ فرمایا کہ یہ شوق پورا کرنا ہے۔ یہ دین نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس وقت کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ گھر میں نماز پڑھتا۔ اور اپنی بیوی کی یہ پریشانی دور کرتا۔

یہ اس وقت ہے جہاں بالکل ویرانہ ہے۔ کوئی آبادی نہیں ہے، البتہ جہاں آبادی ہو تو وہاں مسجد میں جا کر نماز پڑھنی چاہئے۔

لہٰذا اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، کسی کو جہاد میں جانے کا شوق۔ کسی کو تبلیغ میں جانے کا شوق، کسی کو مولوی بننے کا شوق۔ کسی کو مفتی بننے کا شوق اور اس شوق کو پورا کرنے کے نتیجے میں ان حقوق کا کوئی خیال نہیں جو اس پر عائد ہو رہے ہیں۔ اس بات کا کوئی خیال نہیں کہ اس وقت میں ان حقوق کا تقاضہ کیا ہے؟

یہ جو کہا جاتا ہے کہ کسی شیخ سے تعلق قائم کرو، یہ درحقیقت اسی لئے ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ اس وقت تمہیں کونسا کام کرنا چاہئے؟ اب یہ باتیں جو اس وقت کہہ رہا ہوں۔ اس کو کوئی آگے اس طرح نقل کر دے گا کہ وہ مولانا صاحب تو یہ کہہ رہے تھے کہ مفتی بننا بری بات ہے۔ یا تبلیغ کرنا بری بات ہے۔ وہ صاحب تو تبلیغ

کے مخالف ہیں۔ کہ تبلیغ میں اور چلے میں نہیں جانا چاہئے۔ یا جہاد میں نہیں جانا چاہئے۔ ارے بھائی: یہ سب کام اپنے اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام ہیں۔ یہ دیکھو کہ کس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ تم سے کس وقت کیا مطالبہ ہو رہا ہے؟ اس مطالبے اور تقاضے پر عمل کرو۔ اپنے دل و دماغ سے ایک راستہ متعین کر لیا اور اس پر چل کھڑے ہوئے، یہ دین نہیں ہے۔ دین یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ اس وقت کس بات کا حکم دے رہے ہیں؟

سہاگن وہ جسے پیا چاہے

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہندی زبان کی ایک مثل بہت کثرت سے سنایا کرتے تھے۔ فرماتے کہ:

سہاگن وہ جسے پیا چاہے

قصہ یوں ہے کہ ایک لڑکی کو دلہن بنایا جا رہا تھا۔ اور اس کا سنگھار پٹار کیا جا رہا تھا، اب جو کوئی آتا اس کی تعریف کرتا کہ تو بڑی خوبصورت لگ رہی ہے۔ تیرا چہرہ اتنا خوبصورت ہے۔ تیرا جسم اتنا خوبصورت ہے۔ تیرا زیور اتنا خوبصورت ہے۔ اس کی ایک ایک چیز کی تعریف کی جا رہی تھی۔ لیکن وہ لڑکی ہر ایک کی تعریف سنتی، لیکن خاموش رہتی۔ اور سُنی اَن سُنی کر دیتی۔ کسی خوشی کا اظہار نہ کرتی۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ تیری سہیلیاں تیری اتنی تعریفیں کر رہی ہیں۔ تجھے اس سے کوئی خوشی نہیں ہو رہی ہے؟ اس لڑکی نے جواب دیا کہ ان کی تعریف سے کیا خوشی ہو۔ اس لئے کہ یہ جو کچھ تعریفیں کریں گی۔ وہ ہوا میں اڑ جائیں گی۔ بات جب ہے کہ جس کے لئے مجھے سنوارا جا رہا ہے، وہ تعریف کرے۔ وہ پسند کر کے کہہ دے کہ ہاں! تو اچھی لگ رہی ہے، تب تو فائدہ ہے۔ اور اس کے نتیجے میں میری زندگی سنور جائے گی۔ لیکن اگر یہ عورتیں تو تعریف کر کے چلی گئیں اور جس کے لئے مجھے سنوارا گیا تھا۔ اس نے ناپسند کر دیا تو پھر اس دلہن بننے اور اس سنگھار پٹار کا کیا فائدہ؟

بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے

یہ قصہ سنانے کے بعد حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ یہ دیکھو کہ جو کام تم کر رہے ہو۔ جس کے لئے کر رہے ہو اس کو پسند ہے یا نہیں؟ لوگوں نے تو تعریف کر دی

کہ بڑے مفتی صاحب ہیں۔ بڑے عالم اور بڑے مولانا صاحب ہیں۔ لوگوں نے تعریف کر دی کہ تبلیغ میں بہت وقت لگاتا ہے۔ اور اللہ کے راستے میں نکلتا ہے۔ کسی کے بارے میں کہہ دیا کہ یہ مجاہد اعظم ہے۔ ارے ان لوگوں کے کہنے سے کیا حاصل! جس کے لئے کر رہے ہو وہ یہ کہہ دے کہ ۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے

(ظفر علی خان)

اس وقت فائدہ ہے۔ لہٰذا جب ہر کام کا مقصد ان کو راضی کرنا ہے تو پھر ہر وقت انسان کو یہ فکر رہنی چاہئے کہ اس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہو رہا ہے؟

اذان کے وقت ذکر چھوڑ دو

اچھے خاصے ذکر اللہ میں مشغول تھے۔ لیکن جیسے ہی اذان کی آواز کان میں پڑی، حکم آگیا کہ ذکر چھوڑ دو۔ اور خاموش ہو کر مؤذن کی آواز سنو۔ اور اس کا جواب دو۔ اگرچہ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ اذان کے وقت اگر ذکر کرتے رہتے تو کئی تسبیحات اور پڑھ لیتے۔ مگر ذکر سے روک دیا گیا۔ جب روک دیا تو اب رک جاؤ۔ اب ذکر میں فائدہ نہیں۔ اب اذان سننے اور اس کا جواب دینے میں فائدہ ہے۔

جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حج بڑی عجیب و غریب عبادت بنائی ہے۔ اگر آپ حج کی عاشقانہ عبادت کو شروع سے آخر تک دیکھیں گے تو یہ نظر آئے گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قدم قدم پر قاعدوں کے بت توڑے ہیں۔ اب دیکھیں کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ لیکن آٹھ ذی الحجہ کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ مسجد حرام چھوڑو۔ اور منیٰ میں جا کر پڑاؤ ڈالو۔ وہاں نہ حرم، نہ کعبہ، اور نہ وہاں پہ کوئی کام، نہ وقوف ہے۔ نہ رمی جمرات ہے۔ بس یہ حکم دے دیا کہ ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑو۔ اور منیٰ کے جنگل میں جا کر پانچ نمازیں ادا کرو، یہ سب کیوں ہے؟ اس لئے کہ

یہ بتانا مقصود ہے کہ نہ اس کعبہ میں کچھ رکھا ہے اور نہ حرم میں کچھ رکھا ہے۔ نہ مسجد حرام میں کچھ رکھا ہے۔ جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے۔ جب ہم نے کہہ دیا کہ مسجد حرام میں جاکر نماز پڑھو، تو اب ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔ اور جب ہم نے کہہ دیا کہ مسجد حرام کو چھوڑو۔ اب اگر کوئی شخص مسجد حرام میں نماز پڑھے گا تو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تو کیا ملے گا۔ بلکہ الٹا گناہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے ہمارے حکم کو توڑ دیا۔

نماز اپنی ذات میں مقصود نہیں

قرآن و سنت میں نماز وقت پر پڑھنے کی بہت تاکید وارد ہے۔ فرمایا کہ:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا

(سورۃ النساء ۱۰۳)

نماز کو وقت کے ساتھ پابند کیا گیا ہے۔ وقت گزرنے سے پہلے نماز پڑھ لو۔ مغرب کی نماز کے بارے میں حکم دے دیا کہ تعجیل کرو۔ جتنی جلدی ہو سکے پڑھ لو۔ تاخیر نہ ہو۔ لیکن عرفات کے میدان میں مغرب کی نماز جلدی پڑھو گے تو نماز ہی نہ ہوگی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے وقت عرفات کے میدان سے نکل رہے ہیں۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بار بار فرما رہے ہیں کہ "الصلاۃ یا رسول اللہ" "الصلاۃ یا رسول اللہ" اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ "الصلاۃ امامک" (نماز تمہارے آگے ہے) سبق یہ دیا جا رہا ہے کہ یہ مت سمجھ لینا کہ اس مغرب کے وقت میں کچھ رکھا ہے۔ ارے بھائی! جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے۔ جب ہم نے کہا کہ جلدی پڑھو تو جلدی پڑھنا باعث ثواب تھا۔ اور جب ہم نے کہا کہ مغرب کا یہ وقت گزار دو۔ اور مغرب کی نماز عشاء کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھو، تو اب تمہارے ذمے وہی فرض ہے۔ حج میں قدم قدم پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے قاعدوں کے بت توڑے ہیں، عصر کی نماز میں تقدیم کرا دی، اور مغرب میں تاخیر کرا دی۔ ہر کام الٹا کرایا جا رہا ہے۔ اور تربیت اس بات کی دی جا رہی ہے کہ کسی چیز کو اپنی ذات میں مقصود نہ سمجھنا۔ نہ نماز اپنی ذات میں مقصود ہے۔ نہ روزہ اپنی ذات میں مقصود ہے۔ نہ کوئی اور

عبادت اپنی ذات میں مقصود ہے۔ مقصود اللہ جل جلالہ کی اطاعت ہے۔

افطار میں جلدی کیوں؟

یہ جو حکم دیا گیا کہ افطار میں جلدی کرو۔ اور بلاوجہ افطار میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ابتک تو بھوکا رہنا اور نہ کھانا باعث ثواب تھا۔ پیاسا رہنا باعث ثواب تھا، اس کی بڑی فضیلت اور بڑا اجر و ثواب تھا۔ لیکن جب ہم نے کہہ دیا کہ کھاؤ اب کھانے میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔ اس لئے کہ اب اگر کھانے میں تاخیر کرو گے تو اپنی طرف سے روزے میں اضافہ کرنا لازم آئے گا۔

سحری میں تاخیر کیوں؟

سحری میں تاخیر افضل ہے۔ اگر کوئی شخص پہلے سے سحری کھا کر سو جائے۔ تو یہ سنت کے خلاف ہے۔ بلکہ عین وقت پر جب سحری کا وقت ختم ہو رہا ہو۔ اس وقت کھانا افضل ہے۔ کیوں؟ اس لئے اگر پہلے سے کوئی شخص سحری کھا کر سو گیا تو اس نے اپنی طرف سے روزے کی مقدار میں اضافہ کر دیا۔ وہ اتباع میں نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ اپنی طرف سے کر رہا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ساری بات ان کی اتباع میں ہے۔ ہم ان کے بندے ہیں۔ اور بندے کے معنی یہ ہیں کہ جو کہیں وہ کرو۔

"بندہ" اپنی مرضی کا نہیں ہوتا

حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! ایک ہوتا ہے "ملازم" اور "نوکر"، ملازم اور نوکر خاص وقت اور خاص ڈیوٹی کا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ملازم کا کام صرف جھاڑو دینا ہے۔ کوئی دوسرا کام اس کے ذمے نہیں۔ یا ایک ملازم آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے۔ آٹھ گھنٹے کے بعد اس کی چھٹی۔ اور ایک ہوتا ہے "غلام" جو نہ وقت کا ہوتا ہے اور نہ ڈیوٹی کا ہوتا ہے۔ وہ تو حکم کا ہے۔ اگر آقا اس سے کہے کہ تم یہاں قاضی اور جج بن کر بیٹھ جاؤ۔ اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرو۔ تو وہ

قاضی بن کر فیصلے کرے گا۔ اور اگر آقا اس سے کہہ دے کہ پاخانہ اٹھاؤ تو وہ پاخانہ اٹھائے گا۔ اس کے لئے نہ وقت کی قید ہے اور نہ کام کی قید، بلکہ آقا جیسا کہہ دے غلام کو ویسا ہی کرنا ہوگا۔

"غلام" سے آگے بھی ایک درجہ اور ہے۔ وہ ہے "بندہ" وہ غلام سے بھی آگے ہے۔ اس لئے کہ "غلام" کم از کم اپنے آقا کی پرستش تو نہیں کرتا ہے۔ لیکن "بندہ" اپنے آقا کی عبادت اور پرستش بھی کرتا ہے۔ اور "بندہ" اپنی مرضی کا نہیں ہوتا ہے، بلکہ اپنے آقا کی مرضی کا ہوتا ہے۔ وہ جو کہے وہ کرے، دین کی روح اور حقیقت یہی ہے۔

بتاؤ! یہ کام کیوں کر رہے ہو؟

میں نے صبح سے شام تک کا ایک نظام بنا رکھا ہے کہ اس وقت تصنیف کرنی ہے۔ اس وقت درس دینا ہے۔ اس وقت فلاں کام کرنا ہے۔ تصنیف کے وقت جب تصنیف کرنے بیٹھے، مطالعہ کیا۔ اور ابھی ذہن کو لکھنے کے لئے تیار کیا۔ اور قلم اٹھایا تھا یہ سوچ کر یوں لکھنا چاہئے کہ اتنے میں ایک صاحب آگئے۔ اور آکر "السلام علیکم" کہا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے۔ اب اس وقت بڑا دل کڑھتا ہے کہ یہ خدا کا بندہ ایسے وقت آگیا، بڑی مشکل سے ابھی تو کتابیں دیکھ کر لکھنے کے لئے ذہن بنایا تھا۔ اور یہ صاحب آگئے۔ اور اس کے ساتھ پانچ دس منٹ باتیں کیں، اتنے میں جو کچھ ذہن میں آیا تھا۔ وہ سب نکل گیا۔ اب اس کو از سر نو ذہن میں جمع کیا۔ اس طرح صبح سے شام تک یہ دھندہ ہوتا رہتا ہے۔ ایسی وقت میں بڑی کڑھن ہوتی تھی کہ ہم نے سوچا تھا کہ اس وقت میں اتنا کام ہو جائے گا۔ دو تین صفحے لکھ لیں گے۔ لیکن صرف چند سطروں سے زیادہ کام نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب کے درجات بلند فرمائے۔ فرماتے تھے کہ میاں! یہ بتاؤ کہ یہ کام کیوں کر رہے ہو؟ یہ تصنیف، یہ تدریس، یہ فتوی کس کے لئے ہے؟ کیا یہ سب اس لئے ہے کہ تمہاری سوانح حیات میں لکھا جائے کہ اتنے ہزار صفحات تصنیف کر گیا۔ اور اتنی بہت سی تصانیف اور کتابیں لکھیں۔ یا اتنے بہت شاگرد پیدا کر دیئے۔ اگر یہ سب کام اس لئے کر رہے ہو تو بے شک اس پر افسوس کرو کہ اس شخص کی ملاقات کی وجہ سے حرج ہوا۔ اور تعداد میں اتنی

کمی ہو گئی۔ جتنے صفحات لکھنے چاہئے تھے۔ اتنے نہ لکھے، جتنے شاگردوں کو پڑھانا چاہئے تھا۔ اتنوں کو نہ پڑھایا، اس پر افسوس کرو۔ لیکن یہ سوچو کہ اس کا حاصل کیا ہے؟ محض لوگوں کی طرف سے تعریف توصیف، شہرت، پھر تو یہ سب کام اکارت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی ایک دھیلہ قیمت نہیں، اور اگر مقصود ان کی رضا ہے کہ وہ راضی ہو جائیں۔ یہ قلم اس لئے مل رہا ہے کہ وہ راضی ہو جائیں۔ ان کے یہاں یہ عمل مقبول ہو جائے۔ تو جب مقصود ان کی رضا ہے۔ وہ قلم چلے، یا نہ چلے، وہ قلم چلنے سے راضی ہوں تو قلم ہلانا بہتر ہے، اگر قلم نہ چلنے سے راضی ہو جائیں تو وہی بہتر ہے بس دیکھو کہ وقت کا تقاضہ کیا ہے۔ تم نے بے شک اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بنایا تھا کہ آج دو صفحے ہو جانے چاہئیں۔ لیکن وقت کا تقاضہ یہ ہوا کہ ایک ضرورت مند آگیا۔ وہ کوئی مسئلہ پوچھ رہا ہے۔ کوئی اپنی ضرورت لے کر آیا ہے۔ اس کا بھی حق ہے۔ اس کا حق ادا کرو۔ اب وہ اس کا حق ادا کرنے میں راضی ہیں۔ اس سے بات کرنے میں۔ اس کو مسئلہ بتانے میں وہ راضی ہیں۔ تو پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے کہ میرا یہ معمول رہ گیا، اب تمہاری تصنیف میں اتنا ثواب نہیں، جتنا اس شخص کی حاجت پوری کرنے میں ثواب ہے۔ بس! یہ دیکھو کہ وقت کا تقاضہ کیا ہے؟ جس وقت کا جو تقاضہ ہو۔ اس کے مطابق عمل کرو۔ یہ ہے دین کی فہم اور سمجھ کہ اپنی طرف سے کوئی تجویز نہیں، ہر بات ان کے حوالے ہے۔ وہ جیسا کرا رہے ہیں۔ انسان ویسا کر رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسی میں راضی ہیں۔ ہر چیز میں یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کس میں ہے۔ اس کے مطابق عمل کرو بیماری ہو تو، سفر ہو تو، حضر ہو تو، صحت ہو تو، ہر حالت میں ان کی رضا کی فکر کرو۔ اس لئے یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ ہم نے منصوبے بنائے تھے۔ وہ منصوبے ٹوٹ گئے۔ ارے وہ منصوبے تو تھے ہی ٹوٹنے کے لئے۔ انسان کیا؟ اور اس کا منصوبہ کیا؟ منصوبہ تو انہیں کا چلتا ہے۔ کسی کا منصوبہ نہیں چلتا۔ جب بیماری آئے گی تو منصوبہ ٹوٹے گا۔ سفر آئے گا تو منصوبہ ٹوٹے گا۔ جب عوارض پیش آئیں گے تو منصوبہ ٹوٹے گا۔ منصوبوں کے پیچھے مت چلو۔ ان کی رضا کو دیکھو۔ انشاء اللہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ ملا۔ کون مسلمان ایسا ہو گا جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور دیدار کی خواہش نہ ہو۔ خواہش تو کیا؟ تڑپ نہ ہو۔ جب کہ دیدار ہو بھی سکتا ہو۔ آپ کے عہد مبارک میں موجود بھی ہو۔ لیکن سرکار کی طرف سے حکم یہ ہو گیا کہ تمہیں دیدار نہیں کرنا۔ تمہیں اپنی ماں کی خدمت کرنی ہے۔ اب ماں کی خدمت ہو رہی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار چھوڑا جا رہا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کو یہ فرمایا دیا کہ فائدہ اس میں ہے کہ ہمارا حکم مانو، ہمارا حکم یہ ہے کہ مدینہ نہ جاؤ۔ ہمارا حکم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو۔ حضور کی زیارت نہ کرو۔ بلکہ حضور کی کہی ہوئی بات پر عمل کرو، اب ماں کی خدمت کر رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل کیا۔ اور دیدار سے محروم رہے تو جو لوگ دیدار سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ جن کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا تھا یعنی صحابہ کرام، وہ آ آکر حضرت اویس قرنیؒ سے دعائیں کراتے تھے کہ خدا کے واسطے ہمارے لئے دعا کر دو۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ وہاں قرن میں میرا ایک امتی ہے۔ جس نے میرے حکم کی خاطر اور اللہ کی رضا کی خاطر میرے دیدار کو قربان کیا ہے، اے عمر! وہ جب کبھی مدینہ آئیں تو جا کر ان سے اپنے حق میں دعا کرانا، اگر کوئی شوقین ہوتا تو کہتا کہ مجھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق ہے۔ اور یہ دیکھے بغیر کہ میری ماں بیمار ہے، اور اس کو میری خدمت کی حاجت ہے۔ دیدار کے شوق میں چل کھڑا ہوتا، کیوں؟ صرف اپنا شوق پورا کرنے کے لئے۔ لیکن وہ اللہ کے بندے ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جو آپ نے فرمایا وہ کرتے ہیں۔ میرا شوق کچھ نہیں۔ میری تجویز کچھ نہیں۔ میری رائے کچھ نہیں۔ بلکہ جو انہوں نے فرمایا، وہی برحق ہے، اس پر عمل کرنا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل۔ باب من فضائل اویس قرنی رضی اللہ عنہ حدیث نمبر ۲۵۴۲)

تمام بدعات کی جڑ یہ ہے

اور یہ ساری بدعتیں جتنی رائج ہیں۔ ان سب کی جڑیہاں سے کٹتی ہے۔ اگر یہ فہم دل میں پیدا ہو جائے کہ ہمارا شوق کچھ نہیں۔ وہ جو حکم دیں۔ اس پر عمل کرنا ہے۔ بدعت کے معنی کیا ہیں؟ بدعت کے معنی یہ ہیں کہ ہم خود راستہ نکالیں گے کہ اللہ کو راضی کرنے کا کیا راستہ ہے؟ اللہ تعالیٰ سے نہیں پوچھیں گے۔ ہمیں یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی منانا اور میلاد پڑھنا یہ صحیح طریقہ ہے، اپنے دماغ سے یہ راستہ نکالا۔ اور اس پر عمل شروع کر دیا۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اور نہ صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا۔ بلکہ ہم نے اپنے دماغ سے نکال دیا کہ یہ طریقہ موجب ثواب ہے، کسی کے مرنے کے بعد اس کا تیجہ کرنا اپنے دماغ سے نکال لیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے پوچھے بغیر اس پر چل کھڑا ہوا، اسی کا نام بدعت ہے۔ اسی کے بارے میں فرمایا:

کل محدث بدعة وکل بدعة ضلالة

(سنن نسائی، کتاب صلاۃ العیدین۔ باب کیف الخطبة، حدیث نمبر ۱۵۷۸)

یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔ اب بظاہر دیکھنے میں تیجہ ایک اچھا عمل ہے کہ بیٹھ کر قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔ کھانا پکا کر لوگوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ اس میں کیا حرج ہے؟ اور اس میں کیا گناہ ہیں؟ گناہ اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے پوچھے بغیر کیا ہے۔ اور جو کام بظاہر نیک ہو۔ لیکن ان کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف کیا جائے۔ وہ اللہ کے ہاں قبول نہیں۔

میرے محبوب میری ایسی وفا سے توبہ
جو ترے دل کی کدورت کا سبب بن جائے

(کیفیات۔ ذکی کیفی ص ۷۸)

یعنی جو چیز بظاہر وفاداری نظر آرہی ہے۔ لیکن حقیقت میں تیرے دل کی کدورت کا سبب بن رہی ہے۔ ایسی وفاداری سے توبہ مانگتا ہوں۔ اور اسی کا نام بدعت ہے۔ جس حال میں اللہ تعالیٰ رکھیں، بس! اسی حال میں خوش رہو۔ اور اس کا تقاضہ پورا کرو۔

اپنا معاملہ اللہ میاں پر چھوڑ دو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی کہ:

چونکہ بر میخت ببندد بستہ باش

چوں کشاید چابک و برجستہ باش

وہ اگر تمہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیں تو بندھے پڑے رہو۔ اور جب کھول دیں تو پھر چھلانگیں لگاؤ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی تلقین فرمارہے ہیں کہ بیماری کی وجہ سے گھبراؤ نہیں، رخصت پر عمل کرنا بھی بڑا ثواب کا کام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے کہ میرے بندے نے میری دی ہوئی رخصت پر عمل کیا۔ اور اس رخصت کو بھی پورے اہتمام کے ساتھ استعمال کرو۔ اللہ تعالیٰ یہ بات ہمارے دلوں میں اتار دے۔ آمین

شکر کی اہمیت اور اس کا طریقہ

اس باب کی آخری حدیث ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیرضی عن العبد ان یاکل الاکلۃ فیحمدہ علیھا او یشرب الشربۃ فیحمدہ علیھا۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب حمد اللہ تعالیٰ بعد الاکل والشرب، حدیث نمبر ۲۷۳۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو بہت پسند فرماتے ہیں اور اس سے راضی ہو جاتے ہیں جو بندہ کوئی لقمہ کھاتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور پانی کا کوئی گھونٹ پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر کثرت سے شکر ادا کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

یہ بات بار بار عرض کر چکا ہوں کہ شکر سو عبادتوں کی ایک عبادت ہے۔ اور ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ کمال کرو گے

مجاہدات اور ریاضتیں۔ اور کہاں وہ مشقتیں اٹھاؤ گے جیسی صوفیا اکرام نے اٹھائیں؟
لیکن یہ ایک چٹکلا اختیار کر لو کہ ہر بات پر شکر ادا کرنے کی عادت ڈال لو۔ کھانا کھاؤ تو شکر،
پانی پیو تو شکر، ہوا چلے تو شکر، بچہ سامنے آئے۔ اچھا لگے تو شکر۔ گھر والوں کو دیکھو۔
اور دیکھ راحت ہو تو شکر ادا کرو۔ شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو، اور رٹ لگاؤ "الحمد للہ"
اللھم لک الحمد ولک الشکر، اللھم لک الحمد ولک الشکر، یاد رکھو کہ یہ شکر کی عادت ایسی چیز
ہے کہ یہ بہت سارے امراض باطنی کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ یہ تکبر، یہ حسد، یہ عجب ان
سب کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ جو آدمی کثرت سے شکر ادا کرتا ہے۔ وہ عام طور سے تکبر
میں مبتلا نہیں ہوتا۔ یہ بزرگوں کا تجربہ ہے۔ بلکہ اس پر نص وارد ہے۔

شیطان کا بنیادی داؤ ــــ ناشکری پیدا کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو راندہ درگاہ کیا۔ اور نکال دیا۔ تو کم بخت نے
جاتے جاتے کہہ دیا کہ مجھے ساری عمر کی مہلت دے دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت
دے دی۔ اس نے کہا کہ اب میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا۔ اور ان کو گمراہ
کرنے کے لئے دائیں طرف سے آؤں گا۔ بائیں طرف سے آؤں گا، آگے سے آؤں
گا۔ پیچھے سے آؤں گا۔ چاروں طرف سے ان پر حملے کروں گا، اور ان کو تیرے راستے
سے بھٹکاؤں گا۔ اور آخر میں اس نے کہا کہ:

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ

(سورۃ الاعراف: ۱۷)

یعنی میرے بہکانے کے نتیجے میں آپ اپنے بندوں میں سے اکثر کو ناشکرا پائیں
گے۔

شیطانی داؤ کا توڑ ــــ اداءِ شکر

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کا جو
بنیادی داؤ ہے۔ وہ ہے ناشکری پیدا کرنا۔ اگر ناشکری پیدا ہو گئی تو معلوم نہیں کتنے
امراض میں مبتلا ہو گیا، اور اس داؤ کا توڑ شکر کرنا ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو گے اتنا

ہی شیطان کے حملوں سے محفوظ رہو گے۔ اس لئے روحانی بیماریوں سے بچنے کا موثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، دن رات صبح شام رٹ لگاؤ "اللہم لک الحمد ولک الشکر" اس سے انشاء اللہ شیطان کے حملوں کا سد باب ہو جائے گا۔

پانی خوب ٹھنڈا پیا کرو

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں اشرف علی! جب پانی پیو تو خوب ٹھنڈا پیو۔ تاکہ روئیں روئیں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر نکلے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ مجھے دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں۔ ان میں سے ایک ٹھنڈا پانی ہے۔ اور کسی کھانے پینے کی چیز کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی خاص چیز کہیں سے منگوائی جارہی ہے۔ لیکن صرف ٹھنڈا پانی تھا جو سرکار دو عالم کے لئے تین میل کے فاصلے سے آیا کرتا تھا۔ بیر غرس نامی کنواں جو اب بھی مدینہ طیبہ میں موجود ہے۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص طور پر ٹھنڈا پانی منگوایا جاتا تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب پیاس کی حالت میں ٹھنڈا پانی پیا جائے گا تو روئیں روئیں سے شکر نکلے گا۔

سونے سے پہلے نعمتوں کا استحضار اور ان پر شکر

اور رات کو سونے سے پہلے بیٹھ کر ساری نعمتوں کا استحضار کر لو۔ کہ گھر عافیت کا ہے۔ الحمد للہ۔ بستر آرام دہ ہے۔ اللہم لک الحمد ولک الشکر۔ میں عافیت سے ہوں۔ اللہم لک الحمد ولک الشکر۔ بچے عافیت سے ہے۔ اللہم لک الحمد ولک الشکر۔ ایک ایک نعمت کا استحضار کر کے رٹ لگاؤ۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ چیز اپنے ابا سے سیکھی ہے۔ ایک مرتبہ میں ان کے گھر گیا تو رات کو میں نے دیکھا کہ وہ سونے سے پہلے بستر پر بیٹھے ہوئے ہیں، اور بار بار: بار بار اللہم لک الحمد ولک الشکر۔

اللھم لک الحمد ولک الشکر۔ پڑھ رہے ہیں۔ اور عجیب کیفیت میں یہ عمل کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمانے لگے: بھائی! سارے دن تو معلوم نہیں کس حالت میں رہتا ہوں۔ اور یہ پتہ نہیں لگتا کہ شکر ادا ہو رہا ہے یا نہیں، اس وقت بیٹھ کر دن بھر کی ساری نعمتوں کا استحضار کرتا ہوں، اور پھر ہر نعمت پر "اللھم لک الحمد ولک الشکر" کہتا جاتا ہوں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب" فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ دیکھا تو اس کے بعد الحمد للہ میں نے بھی اس کو اپنے معمول میں شامل کر لیا، کہ رات کو سوتے وقت سب نعمتوں کا استحضار کر کے شکر ادا کرتا ہوں۔

شکر ادا کرنے کا آسان طریقہ

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیں۔ آپ نے ہر ہر چیز کے طریقے بتا دیئے ہیں۔ کہاں تک انسان شکر ادا کرے گا۔ بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے فرماتے ہیں کہ ایک سانس پر دو شکر واجب ہیں۔ سانس اندر جائے اور باہر نہ آئے تو موت، اور اگر سانس باہر آئے پھر اندر نہ جائے تو موت۔ تو ایک سانس پر دو نعمتیں، اور ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے۔ اس طرح ہر سانس پر دو شکر واجب ہو گئے۔ اس لئے اگر انسان سانس ہی کی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہے تو کہاں تک کرے گا " وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها " اسلئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر ادا کرنے کا ایک آسان طریقہ بتا دیا اور چند کلمات تلقین فرما دیئے۔ ہر مسلمان کو یاد کر لینے چاہئیں۔ فرمایا کہ:

" اللھم لك الحمد حمدا دائما مع دوامك، وخالدا مع خلودك، ولك الحمد حمدا لامنتهى له دون مشيتك، ولك الحمد حمدا لايريد قائله الا رضاك "

(کنز العمال، ج ۲ ص ۲۲۳، حدیث نمبر ۳۸۵۷)

" اے اللہ! آپ کا شکر ہے۔ ایسا شکر کہ جب تک آپ ہیں۔ اس وقت تک وہ شکر جاری رہے، اور جس طرح آپ جاوداں ہیں۔ اسی طرح وہ شکر بھی جاوداں رہے۔ اور آپ کی مشیت کے آگے جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔ اور آپ کی ایسی حمد کرتا

ہوں۔ جس کے کہنے والے کو سوائے آپ کی رضا کے کچھ اور مطلوب نہیں۔"

اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اللھم لك الحمد زنة عرشك، و مداد كلماتك، وعدد خلقك، ورضا نفسك

(ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب التسبیح بالحصٰی)

فرمایا: میں آپ کا شکر کرتا ہوں جتنا آپ کے عرش کا وزن ہے۔ اور اتنا شکر ادا کرتا ہوں جتنی آپ کے کلمات کی سیاہی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے تمام کلمات کو لکھنا چاہے، اور ساتوں کے ساتوں سمندر اس کے لئے سیاہی بن جائیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھے جائیں تو سارے سمندر خشک ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں۔ تو آپ کے کلمات لکھنے کے لئے جتنی سیاہی درکار ہو سکتی ہے۔ اس کے بقدر شکر ادا کرتا ہوں۔ اور جتنی آپ کی مخلوقات ہیں۔ یعنی انسان، جانور، درخت، پتھر، جمادات، نباتات سب جتنی مقدار میں ہیں۔ اس کے برابر شکر ادا کرتا ہوں۔ اور آخر میں فرمایا کہ اتنا شکر ادا کرتا ہوں جس سے آپ راضی ہو جائیں۔ اب اس سے زیادہ انسان اور کیا کہہ سکتا ہے لہٰذا رات کو سوتے وقت ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اور یہ کلمات کہہ لینے چاہئیں۔

اللھم لک الحمد ملیا عند طرفۃ کل عین۔ و تنفس نفس

(کنز العمال، ج ۲ ص ۲۲۳۔ حدیث نمبر ۳۸۵۷)

اے اللہ! آپ کی تعریف اور آپ کا شکر ہے ہر آنکھ جھپکنے کے وقت اور ہر سانس لینے کے وقت۔ بہر حال! یہ شکر کے کلمات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے ہیں، یاد کر لینے چاہئیں۔ اور رات کو سوتے وقت ان کلمات کو پڑھ لینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بدعت

ایک سنگین گناہ

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی خود دین کا موجد بن جاتا ہے حالانکہ دین کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بدعت کرنے والا در پردہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ جو میں کہوں وہ دین ہے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دین کو جانتا ہوں اور صحابہ کرام سے بڑھ کر میں دیندار ہوں۔ یہ شریعت کی اتباع نہیں ہے بلکہ اپنی خواہش نفس کی اتباع ہے

بدعت

ایک سنگین گناہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ واشتد غضبہ حتی کان منذر جیش، یقول صبحکم ومساکم، ویقول: بعثت انا والساعة کھاتین، ویقرن بین اصبعیہ السبابة والوسطی، ویقول اما بعد: فان خیر الحدیث کتاب اللہ، وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وشر الامور محدثاتھا، وکل بدعة ضلالة، ثم یقول: انا اولی بکل مؤمن من نفسہ من ترک مالاً فلاھلہ، ومن ترک دیناً اوضیاعاً فالی وعلی۔

(صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة۔ حدیث نمبر ۸۶۷)

لفظ "جابر" اور "جبّار" کے معنی

یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص صحابہ کرام میں سے ہیں، اور انصاری صحابی ہیں، مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے، ان کا نام "جابر" ہے، بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ "جابر" تو ظالم آدمی کو کہتے ہیں، تو پھر ان صحابی کا نام "جابر" کیسے رکھ دیا گیا؟ اور اللہ تعالیٰ کے نام گرامی "جبّار" کے بارے میں بھی یہی شبہ ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام "جبار" بھی ہے، اور اردو میں "جبّار" کے معنی ہیں بہت ظلم کرنے والا، اس لئے عام طور پر لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے "جبار" کا لفظ کیسے استعمال کیا گیا؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں "جابر" کے وہ معنی نہیں ہیں جو اردو میں ہیں، اردو میں "جابر" کے معنی ظالم کے آتے ہیں، لیکن عربی میں "جابر" کہتے ہیں ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا، ٹوٹی ہڈی جوڑنے کو "جبر" کہتے ہیں، اور جو شخص ٹوٹی ہڈی کو جوڑے اس کو "جابر" کہتے ہیں تو "جابر" کے معنی ہوئے ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا، اور یہ کوئی غلط معنی نہیں ہیں، بلکہ بہت اچھے معنی ہیں۔ اسی طرح "جبار" کے معنی ہوئے بہت زیادہ ٹوٹی ہوئی چیزوں کو جوڑنے والا، تو اللہ تعالیٰ کا جو نام "جبّار" ہے، اس کے معنی معاذ اللہ ـــ ظلم کرنے والے یا عذاب دینے والے کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو چیز ٹوٹ گئی ہو، اس کو اللہ تعالیٰ جوڑنے والے ہیں۔

ٹوٹی ہڈی جوڑنے والی ذات صرف ایک ہے

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بہت سی دعائیں تلقین فرمائی ہیں، ان میں سے ایک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس نام سے پکارا گیا ہے کہ:

"یا جابر العظم الکسیر"

اے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والے

(الحزب الاعظم ملا علی قاری، ص ۲۲۳)

اس نام سے خاص طور پر اس لئے پکارا کہ دنیا کے تمام اطبا، معالج اور ڈاکٹر اس

بات پر متفق ہیں کہ اگر ہڈی ٹوٹ جائے تو کوئی دوا اور کوئی علاج ایسا نہیں ہے جو اس کو جوڑ سکے، انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو اس کی صحیح پوزیشن پر رکھ دے، لیکن کوئی مرہم کوئی لوشن، کوئی دوا، کوئی معجون ایسی نہیں ہے جو ٹوٹی ہڈی پر لگادی جائے اور وہ جڑ جائے، جوڑنے والی ذات تو صرف وہی ہے، اس معنی میں اللہ تعالیٰ کو "جبار" کہا جاتا ہے، نہ کہ اس معنی میں جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں۔

لفظ "قہار" کے معنی

اسی طرح باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ایک نام "قہار" ہے، اردو کی اصطلاح میں "قہار" اس کو کہتے ہیں جو لوگوں پر بہت قہر کرے، غصہ کرے، اور لوگوں کو بہت تکلیف پہنچائے، لیکن باری تعالیٰ کے اسماء گرامی میں جو لفظ "قہار" ہے وہ عربی زبان والا قہار ہے، اردو زبان کا نہیں ہے، اور عربی زبان میں "قہار" کے معنی ہیں غلبہ پانے والا، غالب، جو ہر چیز پر غالب ہو، اس کو "قہار" کہتے ہیں، یعنی وہ ذات جس کے سامنے ہر چیز مغلوب ہے، اور وہ سب پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی نام عذاب پر دلالت نہیں کرتا

بلکہ باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں کوئی ایسا نام نہیں ہے جو عذاب پر دلالت کرتا ہو، سارے اسماء گرامی یا رحمت پر دلالت کرتے ہیں، یا ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں، یا قدرت پر دلالت کرتے ہیں لیکن۔۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔۔ اسماء حسنیٰ میں سے کوئی نام ایسا نہیں ہے جو عذاب پر دلالت کرنے والا ہو، اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اصل صفت رحمت کی ہے، وہ اپنے بندوں پر رحیم ہے، وہ رحمٰن ہے، وہ کریم ہے، ہاں جب بندے حد سے گزر جائیں تو پھر بے شک اس کا غضب بھی نازل ہوتا ہے، اس کا عذاب بھی برحق ہے جیسا کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بیان ہوا ہے لیکن باری تعالیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں اور جو اسماء حسنیٰ سے موسوم ہیں، ان میں عذاب کا ذکر صراحۃً موجود نہیں ہے۔

خطبہ کے وقت آپ کی کیفیت

بہرحال: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

«کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ، واشتد غضبہ»

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے خطاب فرماتے تھے تو بکثرت آپ کی مبارک آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، اور آواز بلند ہو جاتی تھی، یہ اس لئے ہوتا تھا کہ جو بات کہتے تھے وہ دل کی آواز تھی، اور دل میں یہ جذبہ تھا کہ کسی طرح سننے والے کے دل میں اتر جائے، اور اس کو سمجھ لے، اور اس پر عمل کرنا شروع کر دے، اس جذبہ کے تحت کبھی کبھی آپ کی مبارک آنکھیں سرخ ہو جاتیں، اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی اور آپ کا جوش زیادہ ہو جاتا تھا،

آپ کا انداز تبلیغ

حتی کانہ منذر جیش یقول صبحکم ومساکم

بعض اوقات ایسا لگتا تھا کہ آپ لوگوں کو کسی آنے والے لشکر سے ڈرا رہے ہیں کہ بھائی تمہارے اوپر دشمن کا لشکر حملہ آور ہونے والا ہے، خدا کے لئے اس سے بچنے کا کوئی سامان کرو، اور یہ فرماتے تھے کہ وہ لشکر صبح پہنچا یا شام پہنچا، یعنی وہ لشکر عنقریب پہنچنے والا ہے، اس کے پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں ہے، لہٰذا تم اس لشکر سے بچاؤ کا سامان کرو۔

اس لشکر سے مراد ہے قیامت کا دن اور حساب و کتاب، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے جواب دہی، اور اس جواب دہی کے نتیجے میں عذاب جہنم — اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے — اس سے ڈراتے تھے کہ یہ وقت صبح یا شام کسی بھی وقت آسکتا ہے، اس سے ڈرو، اور اس سے بچنے کی کوشش کرو۔

آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ سب سے پہلے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو جبل صفا پر چڑھ کر دین کی دعوت دی، جتنے خاندان مکہ میں تھے، ان سب کا نام لے کر پکارا، اور ان کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ

کے پیچھے ایک لشکر چھپا بیٹھا ہے، اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم میری اس بات کی تصدیق کرو گے یا نہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ اے محمد! ہم آپ کی اس بات کی تصدیق کریں گے، اس لئے کہ آپ نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی غلط بات نہیں کی، اور کبھی جھوٹ نہیں بولا، آپ "صادق" اور "امین" کی حیثیت سے مشہور ہیں، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ آخرت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا بہت سخت عذاب تمہارا انتظار کر رہا ہے، اس عذاب سے اگر بچنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لاؤ۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب (انذر عشیرتک الاقربین۔ حدیث نمبر ۴۷۷۰)

اہل عرب کا مانوس عنوان

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات میں یہ تصور بکثرت پایا جاتا ہے کہ "میں تم کو دشمن کے لشکر سے ڈرانے والا ہوں جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔" ڈرانے کے لئے یہ تعبیر اور یہ عنوان اہل عرب کے لئے بڑا مانوس تھا۔ کیونکہ عرب لوگ آپس میں ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے پر حملہ کر رہا ہے، دوسرا تیسرے پر حملہ کر رہا ہے، دن رات یہی سلسلہ رہتا تھا جو شخص ان کو آکر یہ بتا دے کہ فلاں دشمن تمہاری گھات میں ہے، اور تمہارے اوپر حملہ کرنے والا ہے، وہ خبر دینے والا بڑا ہمدرد سمجھا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جیسے تم کو کوئی شخص دشمن کے لشکر سے باخبر کرتا ہے، ایسے ہی میں تم کو باخبر کر رہا ہوں کہ ایک بہت بڑا عذاب تمہارا انتظار کر رہا ہے، وہ عذاب صبح پہنچا یا شام۔

آپ کی بعثت اور قرب قیامت

پھر آگے فرمایا:

"بعثت انا والساعة كهاتين ويقرن بين اصبعيه السبابة والوسطى"

میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں جیسے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی۔ اور

دونوں انگلیاں اٹھا کر آپ نے فرمایا کہ جس طرح ان دونوں انگلیوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں، بلکہ دونوں ملی ملی ہیں، اسی طرح میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں کہ دونوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں، وہ قیامت بہت جلد آنے والی ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو اُمتیں گزری ہیں، ان کو انبیا علیہم الصلاۃ والسلام لوگوں کو قیامت سے ڈراتے تھے تو قیامت کی ایک بہت بڑی علامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر فرماتے تھے، کہ قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ آخری دور میں نبی کریم سرور عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں۔

(أخرجه ابن ابی حاتم عن الحسن رضی الله عنه قوله: "فقد جاء أشراطها" قال: محمد صلی الله علیه وسلم عن اشراطها۔ تفسیر الدالمنثور للسیوطی، آیت: فهل ینظرون الا الساعة ج۶ ص ۵۰)

ایک اشکال کا جواب

اب لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ چودہ سو سال تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گزر گئے اب تک تو قیامت آئی نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ ساری دنیا کی عمر کے لحاظ سے اگر دیکھو گے، اور جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے، اس کا لحاظ کر کے اگر دیکھو گے تو ہزار دو ہزار سال کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میرے اور قیامت کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے، وہ قیامت بہت قریب آنے والی ہے۔

ہر انسان کی موت اس کی قیامت ہے

اور ساری دنیا کی جو مجموعی قیامت آنے والی ہے، وہ خواہ کتنی ہی دور ہو، لیکن ہر انسان کی قیامت تو قریب ہے، کیونکہ:

من مات فقد قامت قیامته

(رواہ الدیلمی عن انس مرفوعاً بلفظه: اذا مات احدکم فقد قامت قیامته، المقاصد الحسنة للسخاوی - ص ۴۲۸)

جو مر گیا، اور جس کو موت آگئی، اس کی قیامت تو اسی دن قائم ہو گئی، اس واسطے جب

قیامت آنے والی ہے، خواہ وہ مجموعی قیامت ہو، یا انفرادی، اور اس کے بعد خدا جانے کیا معاملہ ہونے والا ہے، اس لئے میں تم کو ڈرا رہا ہوں کہ وہ وقت آنے سے پہلے تیاری کر لو، اور اس وقت کے آنے سے پہلے ہوشیار ہو جاؤ۔ اور اپنے آپ کو عذاب جہنم اور عذاب قبر سے بچالو۔

بہترین کلام اور بہترین طرز زندگی

پھر فرمایا کہ:

فان خیر الحدیث کتاب اللہ، وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس روئے زمین پر بہترین کلام اور سب سے اچھا کلام اللہ کی کتاب ہے۔ اس سے بڑھ کر، اس سے اعلیٰ، اس سے زیادہ افضل، اس سے زیادہ بہتر کلام کوئی نہیں۔ اور زندگی گزارنے کے جتنے طریقے ہیں جتنے طرز زندگی ہیں۔ ان میں سب سے بہترین طرز زندگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز زندگی ہے۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں خود فرما رہے ہیں۔ کوئی بھی شخص اپنے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ میرا طریقہ سب سے اعلیٰ ہے، مجھ سے زیادہ بہتر کوئی نہیں، لیکن چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ لوگوں کے لئے آپ نمونہ ہوں، زندگی گزارنی ہے تو اس طرح گزارو، اگر زندگی گزارنے کا طریقہ اختیار کرنا ہے تو یہ طریقہ اختیار کرو، اس واسطے دعوت و تبلیغ کی ضرورت کے تحت ارشاد فرما رہے ہیں کہ بہتر طریقہ وہ ہے جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے واسطے چھوڑا ہے، اٹھنے بیٹھنے میں، کھانے پینے میں، سونے جاگنے میں، دوسروں کے ساتھ معاملات کرنے میں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں جو طریقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا، اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا۔

بدعت بدترین گناہ ہے

پھر آگے جن چیزوں سے گمراہی کے امکانات ہو سکتے تھے، ان کی جڑیں بتادیں،

فرمایا کہ:

شر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة

اس روئے زمین پر بدترین کام وہ ہیں جو نئے نئے طریقے دین میں ایجاد کئے جائیں، حدیث میں "بدترین کام" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بدعت ایک ایسی چیز ہے جو ایک لحاظ سے ظاہری گناہوں سے بھی بدتر ہے، اس لئے کہ ظاہری فسق وفجور اور گناہ وہ ہیں کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا، وہ ان کو برا سمجھے گا، کوئی مسلمان اگر کسی گناہ میں مبتلا ہے، مثلاً شراب پیتا ہے، بدکاری کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، غیبت کرتا ہے، اس سے اگر پوچھا جائے کہ یہ کام تمہارے خیال میں کیسے ہیں؟ جواب میں یہی کہے گا یہ کام ہیں تو برے، لیکن میں کیا کروں، میں مبتلا ہو گیا۔ لہٰذا ان برائیوں کو کرنے والا برا سمجھے گا، اور جب برا سمجھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق بھی عطا فرما دیں گے۔

لیکن بدعت، یعنی جو چیز دین میں نئی ایجاد کی گئی ہے، اس کی خاصیت یہ ہے کہ حقیقت میں تو وہ گناہ ہوتی ہے، لیکن جو شخص اس بدعت کو کر رہا ہوتا ہے، وہ اس کو برا نہیں سمجھتا، وہ تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو بہت اچھا عمل ہے، اور دوسرا کوئی اگر اس سے یہ کہے کہ یہ بری بات ہے تو بحث کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، اور اس سے مناظرہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، کہ اس میں کیا خرابی اور کیا حرج ہے۔ اور جب ایک شخص گناہ کو گناہ سمجھتا ہی نہیں ہے، اور برائی کو برائی سمجھتا ہی نہیں ہے تو اس کے نتیجے میں وہ گمراہی میں اور زیادہ پختہ ہوتا جاتا ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "شر الامور" جس کے معنی یہ ہیں کہ جتنے برے کام ہیں ان میں سب سے بدتر کام بدعت ہے، جو دین میں ایسا نیا طریقہ ایجاد کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طریقے سے مختلف ہو، اور پھر آگے اس کی وجہ بھی بتادی کہ ہر بدعت گمراہی ہے، لہٰذا جو شخص کسی بدعت کے اندر مبتلا ہے، وہ لازماً گمراہی کے اندر مبتلا ہے۔

بدعت، اعتقادی گمراہی ہے

ایک ہوتی ہے عملی کوتاہی، یعنی ایک شخص کسی عملی کوتاہی کے اندر مبتلا ہے، اس

سے غلطیاں ہورہی ہیں، گناہ سرزد ہو رہے ہیں، اور ایک ہوتی ہے اعتقادی گمراہی کہ کوئی شخص کسی ناحق بات کو حق سمجھ رہا ہے، اور گناہ کو ثواب سمجھ رہا ہے، کفر کو ایمان سمجھ رہا ہے، پہلی چیز یعنی عملی کوتاہی کا مداوا تو آسان ہے، کہ کبھی نہ کبھی توبہ کر لے گا، تو معاف ہو جائے گی، لیکن جو شخص گناہ کو ثواب سمجھ رہا ہو، اس کی ہدایت بہت مشکل ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ بدترین گناہ بدعت کا گناہ ہے، اسی لئے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بدعت سے اتنا بھاگتے تھے کہ کوئی حد نہیں۔

بدعت کی سب سے بڑی خرابی

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی خود دین کا موجد بن جاتا ہے، حالانکہ دین کا موجد کون ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جو دین بنایا وہ ہمارے لئے قابل اتباع ہے لیکن بدعت کرنے والا خود دین کا موجد بن جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ دین کا راستہ میں بنا رہا ہوں، اور درپردہ وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ جو میں کہوں وہ دین ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا جو راستہ بتایا، اور جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عمل کیا۔ میں ان سے بڑھ کر دیندار ہوں، میں دین کو ان سے زیادہ جانتا ہوں، تو یہ شریعت کی اتباع نہیں ہے، بلکہ اپنی خواہش نفس کی اتباع ہے۔

دنیا میں بھی خسارہ اور آخرت میں بھی خسارہ

ہندو مذہب میں کتنے لوگ گنگا کے کنارے اللہ کو راضی کرنے کے لئے ایسی ایسی ریاضتیں اور ایسی ایسی محنتیں کرتے ہیں، جن کو دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے، کوئی آدمی اپنا ہاتھ بلند کر کے سالہا سال تک اسی طرح کھڑا ہے، ہاتھ نیچے بھی نہیں کرتا۔ کسی آدمی نے سانس کھینچا ہوا ہے، اور گھنٹوں تک سانس نہیں لے رہا ہے، اور حبس دم کر رہا ہے، اس سے اگر پوچھا جائے کہ تو یہ کام کیوں کر رہا ہے؟ جواب دے گا کہ یہ میں اس لئے کر رہا ہوں کہ میرا اللہ راضی ہو جائے، اب چاہے وہ اللہ کو بھگوان کا نام دے یا کچھ اور کہے، لیکن بتایئے اس کے اس عمل کی کوئی قیمت ہے؟ حالانکہ اس کی نیت بظاہر

درست معلوم ہوتی ہے، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں، اس لئے کہ اللہ کو راضی کرنے کا جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے، وہ اللہ اور اللہ کے رسول کا بتایا ہوا نہیں ہے، بلکہ وہ طریقہ اس نے اپنے دل اور دماغ سے گھڑ لیا ہے۔ اس واسطے اللہ کے یہاں اس کا کوئی عمل مقبول نہیں۔ ایسے اعمال کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثورا۔

(سورۃ الفرقان: ۲۳)

جو لوگ ایسے عمل کرتے ہیں، ہم ان کے عمل کو اس طرح اڑا دیتے ہیں جیسے ہوا میں اڑتی ہوئی مٹی اور گرد و غبار۔ عمل کیا لیکن اکارت گیا۔ محنت بھی کی لیکن بیکار گئی۔ اور دوسری جگہ پر کتنے پیارے اور شفقت بھرے انداز سے قرآن کریم نے فرمایا:

قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیاۃ

الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا

(سورۃ الکھف: ۱۰۴)

قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ لوگوں سے کہیں! کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟ پھر فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا عمل اس دنیا میں اکارت ہو گیا۔ اور دل میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں --- یہ لوگ اس لئے خسارے میں ہیں کہ جو فاسق و فاجر تھا، یا جو کافر تھا۔ اس نے کم از کم دنیا میں عیش کر لئے، آخرت اگرچہ تباہ ہوئی، لیکن دنیا میں تو عیش کر گیا، اور یہ شخص تو اپنی دنیا کے عیش و آرام بھی خراب کر رہا ہے، اور محنت اٹھا رہا ہے، اور آخرت بھی بگاڑ رہا ہے، اس واسطے کہ اس نے عبادت کا وہ طریقہ اختیار کیا ہوا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا۔

اسی لئے بدعت کے بارے میں فرمایا "شر الامور" سارے کاموں میں بدترین کام بدعت ہے، اس لئے کہ آدمی محنت تو کرتا ہے، لیکن حاصل کچھ نہیں۔

دین نام ہے اتباع کا

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے اور آپ کے دلوں میں یہ بات بٹھا دے کہ

دین اصل میں اللہ اور اللہ کے رسول کی اتباع کا نام ہے، اپنی طرف سے کوئی بات گھڑنے کا نام دین نہیں ہے، عربی زبان میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک اتباع اور ابتداع، اتباع کے معنی ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی پیروی کرنا۔ اور ابتداع کے معنی ہیں اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد کر کے اس کے پیچھے چل پڑنا۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو سب سے پہلا جو خطبہ دیا۔ اس میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ:

انی متبع و لست بمبتدع

(طبقات ابن سعد، جلد ثالث ص ۱۸۳)

میں اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کا متبع ہوں، مبتدع نہیں۔ یعنی کوئی نیا راستہ ایجاد کرنے والا نہیں ہوں، لہٰذا ساری قیمت اللہ کے حکم کے آگے سر جھکانے کی ہے، اپنی طرف سے جو بات کی جائے اس کا کوئی وزن کوئی قدر و قیمت نہیں۔

ایک عجیب واقعہ

ایک واقعہ آپ نے بکثرت سنا ہوگا حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رات کے وقت مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات دیکھنے کے لئے نکلتے تھے، کہ کون کیا کر رہا ہے، ایک مرتبہ تہجد کے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، آپ نے دیکھا کہ وہ عاجزی کے ساتھ نہایت آہستہ آواز سے تہجد کی نماز میں تلاوت کر رہے ہیں، آگے جا کر دیکھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تہجد پڑھ رہے تھے، اور اس میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں، اور ان کی تلاوت کی آواز باہر تک سنائی دے رہی تھی، خیر، آپ یہ دیکھتے ہوئے واپس تشریف لے آئے۔

بعد میں آپ ؐ نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما دونوں کو اپنے پاس بلایا، اور پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں رات کو تہجد کے وقت تمہارے پاس سے گزرا تو تم بہت آہستہ آواز سے تلاوت کر رہے تھے۔ آپ

اتنی آہستہ آواز سے کیوں تلاوت کر رہے تھے؟

اس کے جواب میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ:

اسمعت من ناجیت

یا رسول اللہ! جس ذات سے میں مناجات کر رہا تھا، جس سے تعلق قائم کیا تھا، جس ذات کو میں سنانا چاہتا تھا، اس کو تو سنا دیا اب آواز بلند کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے میں آہستہ تلاوت کر رہا تھا۔

پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم زور زور سے تلاوت کر رہے تھے، اس کی کیا وجہ تھی؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ:

انی اوقظ الوسنان واطرد الشیطان

میں زور سے اس لئے تلاوت کر رہا تھا کہ جو لوگ پڑے سو رہے ہیں وہ بیدار ہو جائیں، اور شیطان بھاگ جائے، اس لئے جتنی زور سے تلاوت کروں گا، شیطان بھاگے گا، اس لئے میں زور سے تلاوت کر رہا تھا۔

اب ذرا دیکھئے کہ دونوں کی باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بات بھی صحیح کہ میں تو اللہ میاں کو سنا رہا ہوں، کسی دوسرے کو سنانے کی کیا ضرورت؟ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بات بھی درست کہ میں سونے والوں کو جگا رہا تھا، شیطان کو بھگا رہا تھا، لیکن اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ابو بکر! تم نے اپنی سمجھ سے یہ راستہ اختیار کیا کہ بست آہستہ تلاوت کرنی چاہئے، اور اے فاروق! تم نے اپنی سمجھ سے یہ راستہ اختیار کیا کہ زور سے تلاوت کرنی چاہئے، لیکن تم دونوں نے چونکہ اپنی اپنی سمجھ سے یہ راستہ اختیار کیا تھا، اس لئے یہ پسندیدہ نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ نہ زیادہ زور سے تلاوت کرو، اور نہ زیادہ آہستہ تلاوت کرو، بلکہ معتدل آواز سے تلاوت کرو، اسی میں زیادہ نور اور برکت ہے، اور اسی میں زیادہ فائدہ ہے، اس کو اختیار کرو۔

(ابو داؤد، کتاب الصلاۃ۔ باب رفع الصوت بالقراۃ فی صلاۃ اللیل۔ حدیث نمبر ۱۳۲۹)

معلوم ہوا کہ عبادت کے اندر اپنی طرف سے کوئی راستہ اختیار کر لینا، اللہ تعالیٰ

کے نزدیک زیادہ پسندیدہ نہیں، جتنا اللہ اور اللہ کے رسول کا بتایا ہوا راستہ پسندیدہ ہے، بس، جو راستہ ہم نے بتایا ہے وہ راستہ اختیار کرو، اس میں جو نور اور فائدہ ہے وہ کسی اور میں نہیں۔

دین کی ساری روح یہ ہے کہ اطاعت اور عبادت اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرنی ہے، اپنی طرف سے کوئی طریقہ گھڑ لینا درست نہیں۔

ایک بزرگ کا آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں بیان کیا کہ ان کے قریب کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، وہ جب نماز پڑھا کرتے تھے تو آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتے تھے، اور فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ نماز میں ویسے تو آنکھ بند کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو اس کے بغیر خشوع حاصل نہ ہوتا ہو، تو اس کے لئے آنکھ بند کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، کوئی گناہ نہیں ہے ـــ تو وہ بزرگ نماز بہت اچھی پڑھتے تھے، تمام ارکان میں سنت کی رعایت کے ساتھ پڑھتے تھے، لیکن آنکھ بند کر کے نماز پڑھتے تھے، اور لوگوں میں ان کی نماز مشہور تھی، کیونکہ نہایت خشوع و خضوع اور نہایت عاجزی کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، وہ بزرگ صاحب کشف بھی تھے، ایک مرتبہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی یا اللہ! میں یہ جو نماز پڑھتا ہوں میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے یہاں میری نماز قبول ہے یا نہیں؟ اور کس درجہ میں قبول ہے؟ اور اس کی صورت کیا ہے؟ وہ مجھے دکھا دیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی، اور ایک نہایت حسین و جمیل عورت سامنے لائی گئی، جس کے سر سے لے کر پاؤں تک تمام اعضاء میں نہایت تناسب اور توازن تھا، لیکن اس کی آنکھیں نہیں تھی، بلکہ اندھی تھی، اور ان سے کہا گیا کہ یہ ہے تمہاری نماز، ان بزرگ نے پوچھا کہ یا اللہ! یہ اتنے اعلیٰ درجہ کی حسن و جمال والی خاتون ہے، مگر اس کی آنکھیں کہاں ہے؟ جواب میں فرمایا کہ تم جو نماز پڑھتے ہو، وہ آنکھیں بند کر کے پڑھتے ہو، اس واسطے تمہاری نماز ایک اندھی عورت کی شکل میں دکھلائی گئی ہے۔

نماز میں آنکھ بند کرنے کا حکم

یہ واقعہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے بیان فرمایا، اور حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: بات دراصل یہ تھی کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے نماز پڑھنے کا جو سنت طریقہ بتایا وہ یہ تھا کہ آنکھیں کھول کر نماز پڑھو، سجدہ کی جگہ پر نگاہ ہونی چاہئے، یہ ہمارا بتایا ہوا طریقہ ہے، اگرچہ دوسرا طریقہ جائز ہے، گناہ نہیں ہے، لیکن سنت کا نور اس میں حاصل نہیں ہو سکتا، اگرچہ فقہاء کرام نے یہ فرمایا کہ اگر نماز میں خیالات بہت آتے ہیں، اور خشوع حاصل کرنے کے لئے اور خیالات کو دفع کرنے کے لئے کوئی شخص آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتا ہے تو کوئی گناہ نہیں، جائز ہے مگر پھر بھی خلاف سنت ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر کبھی کوئی نماز آنکھیں بند کر کے نہیں پڑھی، اس کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کبھی کوئی نماز آنکھ بند کر کے نہیں پڑھی، اس لئے فرمایا کہ ایسی نماز میں سنت کا نور نہیں ہوگا۔

(لم یکن من هدیه صلی الله علیه وسلم تغمیض عینیه فی الصلاة، زاد المعاد لابن قیم ج ۱ ص ۷۵۔)

نماز میں وساوس اور خیالات

اور یہ جو خیال ہو رہا ہے کہ چونکہ نماز میں خیالات و وساوس بہت آتے ہیں، اس لئے آنکھ بند کر کے نماز پڑھ لو، تو بھائی، اگر خیالات غیر اختیاری طور پر آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر کوئی مواخذہ کوئی پکڑ نہیں، وہ نماز جو آنکھیں کھول کر اتباع سنت میں پڑھی جارہی ہے، اور اس میں غیر اختیاری خیالات آرہے ہیں، وہ نماز پھر بھی اس نماز سے اچھی ہے جو آنکھ بند کر کے پڑھی جارہی ہے، اور اس میں خیالات بھی نہیں آرہے ہیں، اس لئے کہ وہ نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ادا کی جارہی ہے، اور یہ دوسری نماز اتباع رسول میں نہیں ہے۔

بہرحال، یہ سارا معاملہ اتباع کا ہے، اپنی طرف سے کوئی طریقہ گھڑنے کا نہیں، اسی

کا نام دین ہے لب ہم نے یہ جو سوچ لیا ہے کہ فلاں عبادت اس طرح ہوگی، اور فلاں عبادت اس طرح ہوگی۔ تو یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر مقبول ہے، اس لئے فرمادیا کہ "کل بدعة ضلالة" کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

بدعت کی صحیح تعریف اور تشریح

ایک بات اور عرض کر دوں، جس کے بارے میں لوگ بکثرت پوچھا کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ جب ہر نئی بات گمراہی ہے، تو یہ پنکھا بھی گمراہی ہے، یہ ٹیوب لائٹ بھی گمراہی ہے۔ یہ بس بھی یہ موٹر بھی گمراہی ہے، اس لئے کہ یہ چیزیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھیں، بعد میں پیدا ہوئی ہیں، ان کے استعمال کو بدعت کیوں نہیں کہتے؟

خوب سمجھ لیجئے، اللہ تعالیٰ نے بدعت کو جو ناجائز اور حرام قرار دیا، یہ وہ بدعت ہے جو دین کے اندر کوئی نئی بات نکالی جائے، دین کا جز اور دین کا حصہ بنالیا جائے کہ یہ بھی دین کا حصہ ہے، مثلاً یہ کہنا کہ ایصال ثواب اس طرح ہوگا، جس طرح ہم نے بتادیا یعنی تیسرے دن تیجہ ہوگا، پھر دسواں ہوگا، پھر چہلم ہوگا، اور جو اس طریقے سے ایصال ثواب نہ کرے وہ مردود ہے۔

میت کے گھر میں کھانا بنا کر بھیجو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی کے گھر میں صدمہ ہو، تو دوسرے لوگوں کو چاہئے کہ اس کے گھر میں کھانا تیار کر کے بھیجیں، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ کے موقع پر شہید ہوئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ:

اصنعوا لآل ابی جعفر طعاما فانه قد اتاهم امر شغلهم

(ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب صنعة الطعام لاهل الميت، حدیث نمبر ۳۱۳۲)

جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا بنا کر بھیجو، اس لئے کہ وہ بے چارے مشغول ہیں اور

صدمہ کے اندر ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اس کے لئے کھانا بناؤ جس کے گھر صدمہ ہو گیا، تاکہ وہ کھانا پکانے میں مشغول نہ ہو، ان کو صدمہ ہے۔

آجکل کی الٹی گنگا

آجکل الٹی گنگا یہ بہتی ہے کہ جس کے گھر صدمہ ہے، وہ کھانا تیار کرے، اور نہ صرف یہ کہ کھانا تیار کرے، بلکہ دعوت کرے، شامیانے لگائے، دیگیں چڑھائے، اور اگر دعوت نہیں دے گا تو برادری میں ناک کٹ جائے گی، یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ جو بیچارہ مر گیا ہے، اس کو بھی نہیں بخشتے، اس کو بھی برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں، مثلاً یہ کہا جاتا کہ:

مر گیا مردود نہ فاتحہ نہ درود

اگر مرنے والے کے گھر میں دعوت نہ ہوئی تو پھر اس کی بخشش نہیں ہوگی، معاذ اللہ، اور پھر وہ دعوت بھی مرنے والے کے ترکے سے ہوگی، جس میں اب سارے ورثاء کا حق ہو گیا، ان میں نابالغ بھی ہوتے ہیں، اور نابالغ کے مال کو ذرہ برابر چھونا شرعاً حرام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے، پھر بھی یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اور جو شخص یہ سب نہ کرے وہ مردود ہے۔

دین کا حصہ بنانا بدعت ہے

لہٰذا دین کا حصہ بنا کر، لازم اور ضروری قرار دے کر دین میں کوئی چیز ایجاد کی جائے، وہ بدعت ہے، ہاں! اگر کوئی چیز دین کا حصہ نہیں ہے، بلکہ کسی نے اپنے استعمال اور آرام کے لئے کوئی چیز اختیار کر لی، مثلاً ہوا حاصل کرنے کے لئے پنکھا بنا لیا، روشنی حاصل کرنے کے لئے بجلی استعمال کر لی، سفر کرنے کے لئے کار استعمال کر لی، یہ کوئی بدعت نہیں، کیونکہ دنیا کے کاموں میں اللہ تعالیٰ نے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ مباحات کے دائرے میں رہتے ہوئے جو چاہو کرو، لیکن دین کا حصہ بنا کر، یا کسی غیر مستحب کو مستحب قرار دے کر، یا کسی غیر سنت کو سنت کہہ کر، یا کسی غیر واجب کو واجب کہہ کر جب کوئی چیز ایجاد کی جائے گی تو وہ بدعت ہوگی، اور حرام ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا بدعت سے بھاگنا

حضرات صحابہ کرام بدعت سے انتا درجہ کا پرہیز کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، اذان ہو گئی، ابھی جماعت نہیں کھڑی ہوئی تھی کہ اس موذن نے لوگوں کو جمع کرنے کے لئے آواز دے دی کہ "الصلاۃ جامعة" کہ نماز کھڑی ہو رہی ہے، آجاؤ، اور ایک مرتبہ شاید "حی علی الصلاۃ" بھی دوبارہ کہہ دیا، تاکہ جو لوگ اب تک نہیں آئے ہیں، وہ جلدی سے آجائیں، جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ سنے تو فوراً اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ:

اخرج بنا من عند هذا المبتدع

(سنن ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر۔ حدیث نمبر ۱۹۸۔)

مجھے اس بدعتی کے پاس سے نکالو، اس لئے کہ یہ شخص بدعت کر رہا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اذان کا طریقہ بتایا تھا وہ تو ایک مرتبہ ہوتی ہے، اور وہ ہو چکی، دوبارہ اعلان کرنا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے، یہ طریقہ بدعت ہے، لہذا مجھے اس مسجد سے نکالو، میں جا رہا ہوں۔

قیامت اور بدعت دونوں ڈرنے کی چیزیں ہیں

لہذا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے اندر جہاں اپنی امت کو اس بات سے ڈرا رہے ہیں کہ ایک لشکر صبح یا شام کے وقت تم پر حملہ آور ہونے والا ہے، وہاں ساتھ ساتھ آئندہ آنے والی گمراہیوں سے بچانے کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ: بدترین چیزیں وہ ہیں جو انسانوں نے اپنی طرف سے گھڑلی ہیں، اور ان کو دین کا حصہ بنا دیا ہے، جبکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا وہ طریقہ نہیں بتایا۔ اس سے پرہیز کرو، ورنہ وہ تمہیں گمراہی کی طرف لے جائے گی۔

ہمارے حق میں سب سے زیادہ خیر خواہ کون؟

پھر اگلا جملہ ارشاد فرمایا کہ:

انا اولی بکل مؤمن من نفسه

میں ہر مومن سے اس کی جان سے زیادہ قریب ہوں، یعنی انسان خود اپنی جان کا اتنا خیر خواہ نہیں ہو سکتا جتنا میں تمہارا خیر خواہ ہوں، جیسے باپ اپنے بچے پر شفقت کرتا ہے کہ اپنے اوپر مشقت جھیل لے گا، محنت اٹھالے گا، لیکن اولاد کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا، اس لئے آپ نے فرمایا میں تمہارے لئے تمہاری جان سے زیادہ قریب ہوں، جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں، وہ کوئی اپنے مفاد کے خاطر نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ تمہارے فائدے کے لئے کہہ رہا ہوں اس لئے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ کہیں یہ قوم گمراہی میں مبتلا ہو کر اپنے کو جہنم کا مستحق نہ بنالے، آگے فرمایا کہ:

من ترك مالا فلاهله، ومن ترك دينا او ضياعا فالي وعلي۔

یعنی آخرت میں تو میں تمہارا خیر خواہ ہوں ہی، دنیا کے اندر بھی یہ معاملہ ہے کہ اگر کوئی شخص کچھ مال بطور ترکہ کے چھوڑ کر گیا ہے، تو وہ میراث اس کے گھر والوں کے لئے ہے، شریعت کے مطابق وہ میراث آپس میں تقسیم کرلیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنے اوپر قرضہ چھوڑ کر گیا ہے، اور ترکہ میں اتنا مال نہیں ہے کہ اس سے قرضہ ادا کیا جاسکے، یا ایسی اولاد چھوڑ گیا، جس کی کوئی کفالت کرنے والا نہیں ہے، تو وہ قرضے اور وہ اولاد میرے پاس لے آؤ، میں زندگی بھر ان کی کفالت کروں گا، یہ سب اس لئے فرمایا تاکہ یہ یقین ہو جائے کہ مجھے تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے، تمہارا روپیہ پیسہ مطلوب نہیں ہے، جیسا کہ پچھلی حدیث میں فرمایا کہ میں تمہیں کمریں پکڑ پکڑ کر جہنم سے روکنا چاہتا ہوں، اور تم اس میں گرے جارہے ہو، اور میں تمہیں پکار رہا ہوں کہ خدا کے لئے ان گناہوں سے رک جاؤ، خدا کے لئے ان بدعتوں سے باز آجاؤ، تاکہ اس عذاب جہنم سے نجات پا جاؤ۔

(فانا آخذ بحجزكم عن النار وانتم تقتحمون فيها، صحيح بخاری، كتاب الرقاق، باب الانتهاء عن المعاصی، حدیث نمبر ۶۴۸۳)

صحابہ کی زندگیوں میں انقلاب کہاں سے آیا؟

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ باتیں تھیں جنہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی میں انقلاب برپا کیا، اور ایسی تبدیلیاں لائیں کہ ایک ایک

صحابہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ جب بات دل سے نکلتی تھی، دل پر اثر کرتی تھی، اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک جملے نے لوگوں کی زندگیاں بدل دیں، آج ہم گھنٹوں تقریر کرتے ہیں، گھنٹوں دین کی باتیں کرتے ہیں، لیکن کوئی تبدیلی اور انقلاب نہیں آتا، کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا، اس لئے کہ بسا اوقات کہنے والا خود اس پر کاربند نہیں ہوتا، اور ہمارے دل میں وہ جذبہ اور درد نہیں، جس کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے صحابہ کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا، آج بھی جتنا اثر براہ راست کتاب اللہ کے کلمات میں ہے، اور براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات میں ہے کتنی لچھے دار تقریریں کر لو، اس میں وہ اثر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

بدعت کیا ہے؟

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک بدعت حسنہ اور ایک بدعت سیہ، یعنی بعض کام بدعت تو ہوتے ہیں، لیکن اچھے ہوتے ہیں۔ اور بعض کام بدعت بھی ہیں اور برے بھی ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی اچھا کام شروع کیا جائے تو اس کو بدعت حسنہ کہا جائے گا، اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

بدعت کے لغوی معنی

خوب سمجھ لیجئے کہ بدعت کوئی اچھی نہیں ہوتی، جتنی بدعتیں ہیں، وہ سب بری ہیں، اصل بات یہ ہے کہ بدعت کے دو معنی ہوتے ہیں، ایک لغوی، اور ایک اصطلاحی، اگر آپ لغت اور ڈکشنری میں بدعت کے معنی دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ لغت میں اس کے معنی نئی چیز کے ہیں، لہٰذا جو بھی نئی چیز ہے اس کو لغوی اعتبار سے بدعت کہہ سکتے ہیں، مثلاً یہ پنکھا، یہ بجلی، یہ ٹرین اور ہوائی جہاز وغیرہ لغت اور ڈکشنری کے اعتبار سے سب بدعت ہیں کیونکہ یہ چیزیں ہمارے دور کی ہی پیداوار ہیں مسلمانوں کے اولین دور میں ان کا وجود نہ تھا یہ سب نئی چیزیں ہیں۔

لیکن شریعت کی اصطلاح میں ہر نئی چیز کو بدعت نہیں کہتے، بلکہ بدعت کے معنی

یہ ہیں کہ دین میں کوئی نیا طریقہ نکالنا، اور اس طریقہ کو از خود مستحب یا لازم یا مسنون قرار دینا، جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے مسنون قرار نہیں دیا، اس کو بدعت کہیں گے، اس اصطلاحی معنی کے لحاظ سے جن چیزوں کو بدعت کہا گیا ہے ان میں سے کوئی بدعت اچھی نہیں ہوتی۔ اور ایسی کوئی بدعت "حسنہ" نہیں ہے بلکہ ہر بدعت بری ہی ہے۔

شریعت کی دی ہوئی آزادی کو کسی قید کا پابند بنانا جائز نہیں

البتہ کچھ چیزیں اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دی ہیں۔ یا کچھ چیزیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون اور اجر و ثواب کا موجب تو قرار دی ہیں۔ لیکن ان چیزوں میں شریعت نے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کیا کہ اس طرح کرو گے تو ثواب زیادہ ملے گا، اور اس طرح کرو گے تو ثواب کم ملے گا، ایسے کاموں کو جس طریقے سے بھی انجام دے لیا جائے وہ موجب ثواب ہوتا ہے۔

ایصال ثواب کا طریقہ

مثلاً کسی مردہ کو ایصال ثواب کرنا بڑی فضیلت کی چیز ہے، جو شخص کسی مرنے والے کو ایصال ثواب کرے تو اس کو دگنا ثواب ملتا ہے، ایک اس عمل کے کرنے کا ثواب، اور دوسرے ایک مسلمان کے ساتھ ہمدردی کرنے کا ثواب، لیکن شریعت نے ایصال ثواب کے لئے کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا کہ ایصال ثواب صرف قرآن شریف پڑھ کر ہی کرو، یا صدقہ کر کے کرو، یا نماز پڑھ کر کرو، بلکہ جس وقت جس نیک کام کی توفیق ہو جائے اس نیک کام کا ایصال ثواب جائز ہے، تلاوت کلام پاک کا ایصال ثواب کر سکتے ہیں، صدقہ کا بھی کر سکتے ہیں۔ نفلی نماز پڑھ کر اس کا ایصال ثواب کر سکتے ہیں۔ ذکر و تسبیح کا بھی کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی کتاب لکھی ہے، اور کوئی تصنیف و تالیف کی ہے، اس کا بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی وعظ و نصیحت کی ہے تو اس کا بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے، غرض یہ کہ جتنے بھی نیک کام ہیں، سب کا ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے، اور اسی طرح شریعت نے ایصال ثواب کے لئے کوئی دن مقرر

نہیں کیا کہ فلاں دن کرو، اور فلاں دن نہ کرو، بلکہ جس وقت اس شخص کا انتقال ہوا ہے، اس کے بعد جس وقت چاہیں ایصال ثواب کر سکتے ہیں، چاہے پہلے دن کرے، چاہے دوسرے دن کرے، چاہے تیسرے دن کرے، جب چاہے کرے، کوئی دن مقرر نہیں ہے، اب اگر کوئی شخص ایصال ثواب کا کوئی بھی طریقہ اختیار کرے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے، تو اس میں کوئی خرابی نہیں۔

کتاب تصنیف کر کے اس کا ایصال ثواب کر سکتے ہیں

مثلاً میں نے عام مسلمانوں کے فائدے کے لئے ایک کتاب لکھی، اور کتاب لکھنے کا مقصد تبلیغ و دعوت ہے، اور کتاب لکھنے کے بعد دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! کتاب لکھنے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا دیجئے۔ تو یہ ایصال ثواب درست ہے، حالانکہ کتاب لکھ کر ایصال ثواب کرنے کا عمل نہ تو کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور نہ صحابہ کرام نے کیا، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کوئی کتاب لکھی ہی نہیں، لیکن آپ نے ایصال ثواب کرنے کی فضیلت بیان فرمائی، لہٰذا یہ جو میں ایصال ثواب کر رہا ہوں یہ بدعت نہیں، لیکن اگر میں یہ کہوں کہ کتاب لکھ کر ایصال ثواب کرنے کا طریقہ دوسرے طریقوں سے افضل اور بہتر ہے، اور یہی طریقہ سنت ہے، اس صورت میں میرا یہی عمل جو موجب اجر و ثواب تھا، بدعت ہو جائے گا، اس لئے کہ میں نے اپنی طرف سے دین میں ایک ایسی چیز داخل کر دی جو دین کا حصہ نہیں تھی۔

تیسرا دن لازم کر لینا بدعت ہے

اسی طرح ہر دن ایصال ثواب کرنا جائز تھا، پہلے دن بھی، دوسرے دن بھی اور تیسرے دن بھی، فرض کرو کہ ایک شخص تیسرے دن گھر پر بیٹھے ایصال ثواب کر رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تیسرا دن خاص طور پر ایصال ثواب کے لئے مقرر ہے، اور اس تیسرے دن میں ایصال ثواب کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، یا یہ سنت ہے، یا یہ کہے کہ اگر کوئی شخص تیسرے دن ایصال

ثواب نہیں کرے گا تو اس کو ناواقفوں کی لعنت وملامت کا شکار ہونا پڑے گا، اب یہ ایصال ثواب بدعت ہو جائے گا، اس لئے کہ اس عمل کو اپنی طرف سے ایک خاص دن میں لازم اور ضروری قرار دے دیا۔

جمعہ کے دن روزہ کی ممانعت فرمادی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کی کتنی فضیلت بیان فرمائی ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:۔

قل ما کان یفطر یوم الجمعة

(ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجائی صوم یوم الجمعة، حدیث نمبر ۷۴۲)

یعنی بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ جمعہ کے روز آپ نے روزہ نہ رکھا ہو، بلکہ اکثر جمعہ کے دن روزہ رکھا کرتے تھے اسلئے کہ یہ فضیلت والا دن روزے کے ساتھ گزرے تو اچھا ہے، لیکن آپ کو دیکھ کر رفتہ رفتہ لوگوں نے بھی جمعہ کے دن روزہ رکھنا شروع کر دیا اور جمعہ کے دن کو روزے کے ساتھ اس طرح مخصوص کر دیا جس طرح یہودی لوگ ہفتہ کے دن کو مخصوص کرتے ہیں، اس لئے یہودیوں کے یہاں ہفتہ کے دن روزہ رکھا جاتا تھا، اور ان کے ذہنوں میں ہفتہ کے دن روزہ رکھنے کی خاص فضیلت اور اہمیت تھی، چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے صحابہ کرام کو منع فرما دیا، اور باقاعدہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز کوئی شخص روزہ نہ رکھے۔ یہ آپ نے اس لئے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس دن کو اللہ تعالیٰ نے روزے کے لئے متعین نہیں کیا، لوگ اس کو اپنی طرف سے متعین کر دیں، اور وہ عمل دوسروں کی نظر میں ضروری نہ سمجھا جانے لگے، اس لئے آپ نے روزے کے لئے جمعہ کی تعیین کر لینے سے منع فرما دیا کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضروری اور لازمی نہیں سمجھتے تھے نہ دوسروں کے لئے اس طرح کا کوئی اہتمام والتزام جاری کرانا چاہتے تھے۔

(ترمذی۔ کتاب الصوم، باب ماجاء کراھیة صوم یوم الجمعة وحده۔ حدیث نمبر ۷۴۳)

تیجہ، دسواں، چالیسواں کیا ہیں؟

بہر حال! میں یہ جو عرض کر رہا تھا کہ یہ تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں جائز نہیں ہے، یہ اس لئے کہ لوگوں نے ان دنوں کو ایصال ثواب کے لئے مخصوص کر دیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص ایصال ثواب کے لئے کوئی دن مخصوص نہ کرے، بلکہ اتفاقاً وہ تیسرے دن ایصال ثواب کر لے، تو اس میں بھی کوئی خرابی نہیں، البتہ چونکہ آجکل تیسرے ہی دن کو بعض لوگوں نے لازم سمجھ رکھا ہے اس لئے ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے بطور خاص تیسرے دن یہ کام نہ کرے تو زیادہ بہتر ہے۔

انگوٹھے چومنا کیوں بدعت ہے؟

آپ نے مسجد سے اذان کی آواز سنی، اور اذان کے اندر جب "اشہد ان محمداً رسول اللہ" سنا، آپ کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا داعیہ پیدا ہوا، اور محبت سے بے اختیار ہو کر آپ نے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگا لئے تو بذات خود یہ عمل کوئی گناہ اور بدعت نہیں، اس لئے کہ اس نے یہ عمل بے اختیار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کیا، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت ایک قابل تعریف چیز ہے اور ایمان کی علامت ہے، اور انشاء اللہ اسی محبت پر اجر و ثواب ملے گا، لیکن اگر کوئی شخص ساری دنیا کے لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دے کہ جب کبھی اذان میں "اشہد ان محمداً رسول اللہ" پڑھا جائے، تو تم سب اس وقت اپنے انگوٹھوں کو چوما کرو اس لئے کہ اس وقت انگوٹھوں کو چومنا مستحب یا سنت ہے اور جو شخص انگوٹھوں کو نہ چومے، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا نہیں ہے، تو وہی عمل جو محبت کے جذبے سے بالکل جائز تھا۔ اب بدعت بن گیا۔ اس میں باریک فرق ہے کہ اگر یہ جائز عمل صحیح جذبے سے کیا جا رہا ہے اور اس میں خود ساختہ کوئی قید نہیں ہے تو وہ بدعت نہیں ہے۔ اور جب اسی عمل کو اپنے اوپر لازم کر لیا، یا اس کو سنت سمجھ لیا، اور اگر کوئی دوسرا شخص وہ عمل نہ کرے تو اس کو مطعون کرنا شروع کر دیا۔ بس وہی عمل بدعت بن جائے گا۔

یارسول اللہ! کہنا کب بدعت ہے؟

میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ایک شخص کے سامنے کسی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی آیا۔ اور اس کو بے اختیار یہ تصور آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود ہیں، اور اس نے یہ تصور کرکے کہہ دیا کہ "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ!" اور حاضر ناظر کا عقیدہ اس کے دل میں نہیں تھا۔ بلکہ جس طرح ایک آدمی غائب چیز کا تصور کرلیتا ہے کہ یہ چیز میرے سامنے موجود ہے، تو اس تصور کرنے میں اور یہ الفاظ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ الفاظ اس عقیدے کے ساتھ کہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر اس طرح حاضر و ناظر ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہیں، تو یہ شرک ہو جائے گا، معاذ اللہ، اور اگر اس عقیدے کے ساتھ تو نہیں کہے۔ لیکن یہ سوچا کہ "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" کہنا سنت ہے، اور اس طرح درود پڑھنا ضروری ہے، اور جو شخص اس طرح یہ الفاظ نہ کہے گویا اس کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے۔ تو پھر یہی عمل بدعت، ضلالت اور گمراہی ہے۔

عمل کا ذرا سا فرق

لہٰذا عقیدے اور عمل کے ذرا سے فرق سے ایک جائز چیز ناجائز اور بدعت بن جاتی ہے، آپ جتنی بدعتیں دیکھیں گے، ان میں سے اکثر ایسی ہیں جو بذات خود مباح تھیں اور جائز تھیں، لیکن جب اسے فرض کی طرح لازم کرلیا گیا تو اس سے وہ بدعت بن گئیں۔

عید کے روز گلے ملنا کب بدعت ہے؟

عید کے دن آپ نے عید کی نماز پڑھی، اور عید کی نماز کے بعد دو مسلمان بھائیوں نے خوشی کے جذبے میں آکر آپس میں ایک دوسرے سے گلے مل لئے، تو اصلاً گلے ملنا کوئی ناجائز فعل نہیں، یا مثلاً ابھی آپ یہاں مجلس سے اٹھیں، اور کسی سے گلے مل

لیں تو کوئی گناہ کی بات نہیں، جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ عید کی نماز کے بعد گلے ملنا عید کی سنت ہے، اور یہ بھی عید کی نماز کا حصہ ہے اور جب تک گلے نہیں ملیں گے، اس وقت تک عید نہیں ہوگی، تو یہی عمل اس وقت بدعت بن جائے گا، اس لئے کہ ایک ایسی چیز کو سنت قرار دیا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار نہیں دیا، اور صحابہ کرام نے اس کو نہ سنت قرار دیا، اور نہ اس کی پابندی کی، اب اگر کوئی شخص گلے ملنے سے انکار کر دے کہ میں تو نہیں ملتا، اور آپ اس سے کہیں کہ آج عید کا دن ہے، کیوں گلے نہیں ملتے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے عید کے دن گلے ملنے کو لازمی قرار دے دیا، اور از خود لازمی قرار دے لینا ہی اس کو بدعت بنا دیتا ہے۔ لیکن ویسے ہی اتفاقی طور پر گلے ملنے کو دل چاہا، اور گلے مل لئے تو یہ بذات خود بدعت نہیں بہر حال! کسی بھی مباح عمل کو لازم قرار دینے یا اس کو سنت یا واجب قرار دینے سے وہ بدعت بن جاتی ہے۔

کیا "تبلیغی نصاب" پڑھنا بدعت ہے؟

ایک صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ یہ تبلیغی جماعت والے تبلیغی نصاب پڑھتے ہیں۔ اور لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہ کرام کے زمانے میں تبلیغی نصاب کون پڑھتا تھا۔ اور خلفاء راشدین کے زمانے میں کون پڑھتا تھا؟ لہٰذا یہ تبلیغی نصاب پڑھنا بھی بدعت ہو گیا۔ لیکن میں نے آپ کے سامنے جو تفصیل بیان کی، اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ علم اور دین کی بات کہنا اور اس کی تبلیغ کرنا ہر وقت اور ہر آن جائز ہے، مثلاً ہم اور آپ جمعہ کے روز عصر کے بعد یہاں جمع ہوتے ہیں، اور دین کی بات سنتے اور سناتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو ایسا نہیں ہوتا تھا کہ لوگ خاص طور پر جمعہ کے روز عصر کے بعد جمع ہوتے ہوں، اور پھر ان کے سامنے دین کی بات کی جاتی ہو، لہٰذا یہ ہمارا جمع ہونا بھی بدعت ہے، خوب سمجھ لیجئے کہ یہ اس لئے بدعت نہیں کہ دین کی تعلیم و تبلیغ ہر وقت اور ہر آن جائز ہے۔ لیکن اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ جمعہ کے دن عصر کے بعد مسجد بیت المکرم ہی میں یہ اجتماع مسنون ہے، اور اگر

کوئی شخص اس اجتماع میں شریک نہ ہو تو اس کو تو دین کا شوق نہیں ہے، اس کے دل میں دین کی عظمت اور محبت نہیں ہے، اس لئے کہ بیت المکرم میں جمعہ کے دن نہیں آتا۔ تو اس صورت میں یہی اجتماع کا عمل جو ہم اور آپ کر رہے ہیں، بدعت بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اب ایک آدمی یہاں آنے کے بجائے کسی دوسری جگہ پر چلا جاتا ہے۔ اور وہاں جاکر دین کی باتیں سن لیتا ہے، تو وہ بھی ثواب کا کام کر رہا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ بیت المکرم ہی میں دین کی باتیں سننے کے لئے آئے، اور جمعہ کے دن ہی آئے، اور عصر کے بعد ہی آئے، اور بیان بھی فلاں شخص ہی کا ہو تو اس صورت میں یہی عمل بدعت بن جائے گا۔

اسی طرح لوگ تبلیغی نصاب پڑھتے ہیں اور دینی اعمال کی فضیلتیں سناتے ہیں، یہ بڑے ثواب کا کام ہے۔ اب اگر کوئی اس کو متعین کرے کہ تبلیغی نصاب ہی پڑھنا ضروری ہے، اور یہی سنت ہے اور اس کے علاوہ اگر کوئی دوسری کتاب پڑھی جائے گی تو وہ مقبول نہیں، تو اس صورت میں یہ تبلیغی نصاب پڑھنا بھی بدعت بن جائے گا۔ لہٰذا کسی بھی عمل مباح کو یا اجر و ثواب والے عمل کو خاص وقت اور خاص حالات کے ساتھ مربوط کر کے لازم قرار دے دیا جائے تو وہی بدعت بنا دیتا ہے۔

سیرت کے بیان کے لئے خاص طریقہ مقرر کرنا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنا کتنے اجر و فضیلت کا کام ہے۔ وہ لمحات جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کسی بھی حیثیت سے ہو، وہ حاصل زندگی ہے ۔

اوقات ہمہ بود کہ بیان بسر کرد

حقیقت میں قابل قدر اوقات تو وہی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک میں صرف ہو جائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کے لئے کوئی خاص طریقہ متعین کر دے، خاص دن متعین کرے۔ یا خاص مجلس متعین کر لے، اور یہ کہے کہ اسی خاص دن اور صورت ہی میں اجر و ثواب منحصر ہے تو یہی قیودات اس جائز اور مبارک عمل کو بدعت بنا دیں گی۔

درود شریف پڑھنا بھی بدعت بن جائے گا

اس کی آسان سی مثال سمجھئے کہ ہمیں نماز میں التحیات پڑھنے کے بعد درود شریف پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے، اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید، یہ درود شریف پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھا دیا اس کو پڑھنا جائز اور مسنون ہے۔ اب اگر کوئی شخص دوسرا درود شریف پڑھے، جس کے الفاظ اس سے مختلف ہوں۔ مثلاً: اللھم صلی علی محمد النبی الامی وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم، پڑھے تو یہ بھی جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، اور درود شریف پڑھنے کی سنت ادا ہو جائے گی۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ درود شریف نہ پڑھو، بلکہ یہ دوسرا والا درود شریف پڑھو اور یہی پڑھنا سنت ہے، تو اس صورت میں درود شریف پڑھنا جو بڑی فضیلت والا عمل تھا۔ بدعت بن جائے گا۔

دنیا کی کوئی طاقت اس کو سنت نہیں قرار دے سکتی

خوب سمجھ لیجئے کہ لوگوں نے جو بدعت کی قسمیں نکال لیں ہیں کہ ایک بدعت حسنہ ہوتی ہے، اور ایک بدعت سیہ ہوتی ہے، ایک اچھی ہوتی ہے، اور ایک بری ہوتی ہے۔ یاد رکھو، بدعت کوئی حسنہ نہیں، کوئی بدعت اچھی نہیں، جو طریقہ نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرات خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے ضروری قرار نہیں دیا، اور سنت قرار نہیں دیا، مستحب قرار نہیں دیا۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کو واجب، سنت اور مستحب قرار نہیں دے سکتی۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ ضلالت اور گمراہی ہوگی اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرام دین کو اتنا نہیں سمجھتے تھے، جتنا ہم سمجھتے ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ بعض نئی چیزیں تو وہ ہوتی ہیں جن کو کوئی بھی شخص دین کا حصہ نہیں سمجھتا، مثلاً یہ پنکھا، یہ لائٹ، ٹرین، ہوائی جہاز، وغیرہ۔ یہ چیزیں اس لئے بدعت نہیں ہیں کہ ان کو کوئی بھی دین کا حصہ اور لازم اور ضروری نہیں سمجھتا، اور دین کے جن کاموں کو انجام دینے کا اللہ اور اللہ کے رسول نے کوئی خاص طریقہ نہیں بتلایا، ان کاموں کو جس طرح چاہیں انجام دے سکتے ہیں، لیکن اگر ان کاموں کے لئے اپنی طرف سے کوئی خاص طریقہ مقرر کر لیا جائے، اور اسی طریقے کو لازم اور ضروری قرار دے دیا جائے تو وہ بدعت بن جائے گا۔ یہ بات اگر ذہن میں رہے تو اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے تمام شبہات دور ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بدعت سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے، اور دین کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مواعظ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

نام کتاب	قیمت
بڑا بننے کا شوق	۱۲/=
مستقبلات	۱۲/=
محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے	۱۲/=

خطبات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

﴿ ا ﴾

نام کتاب		قیمت
اصلاحی خطبات	جلد اوّل	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۲	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۳	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۴	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۵	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۶	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۷	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۸	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۹	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۱۰	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۱۱	زیر طبع
اصلاحی خطبات ڈیل ایڈیشن		زیر طبع
اصلاحی خطبات انگریزی		۲۳۰۰/=
اصلاحی مجالس جلد اوّل		زیر طبع
آزادی نسواں کا فریب		۱۶/=
اسلام اور جدید اقتصادی مسائل		۱۵/=
اولاد کی اصلاح و تربیت		۱۹/=
انسانی حقوق اور اسلام		۱۳/=
اپنی فکر کریں		۱۳/=
اسلام میں خلع کی حقیقت		۲۰/=
آپ زکوٰۃ کس طرح ادا کریں		۱۸/=
امپورٹ کے شرعی احکام		۱۳/=
امت مسلمہ کہاں کھڑی ہے		[illegible]
آنکھوں کی حفاظت کیجئے		۱۳/=
ایمان کامل کی چار علامتیں		۱۳/=
اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ		۱۳/=
استخارہ کا مسنون طریقہ		۱۲/=

﴿ ب - پ - ت ﴾

نام کتاب	قیمت
بدعت ایک سنگین گناہ	۱۲/=
بیوی کے حقوق	۲۰/=
بڑوں کی اطاعت	۱۵/=
بھائی بھائی بن جاؤ	۱۲/=

﴿ ج-ح-خ ﴾

﴿ د-ر-ز ﴾

راحت کس طرح حاصل کریں .... ۱۸/=
زبان کی حفاظت کیجئے .... ۱۶/=

﴿ س - ش ﴾

سفارش شریعت کی نظر میں .... ۱۲/=
سیرت النبی ﷺ .... ۱۶/=
سستی کا علاج، چستی .... ۱۲/=
سونے کے آداب .... ۱۵/=
سنت کی تحقیر سے بچیں .... ۱۳/=
سودی نظام کی خرابیاں .... ۱۵/=
سلام اور مصافحہ کے آداب .... ۱۵/=
شوہر کے حقوق .... ۲۰/=
شب برات کی حقیقت .... ۲۲/=
شیئرز کی خرید و فروخت .... ۱۳/=

﴿ ع - غ - ف ﴾

علماء کی توہین سے بچیں .... ۱۳/=
عقل کا دائرہ کار .... ۱۳/=
غریبوں کی تحقیر مت کیجئے .... ۱۲/=
غصہ کو قابو میں کیجئے .... ۱۶/=
غیبت زبان کا ایک عظیم گناہ .... ۱۶/=
فقہی مقالات جلد اول .... ۱۳۰/=
فقہی مقالات جلد دوم .... ۱۳۰/=
فقہی مقالات جلد سوم .... ۱۳۰/=
فقہی مقالات اعلیٰ ایڈیشن .... زیر طبع
فتنہ کے دور کی نشانیاں .... ۱۸/=
فکر آخرت .... ۱۳/=

﴿ ق - ک - ل ﴾

قربانی، حج، عشرہ ذی الحجہ .... ۱۶/=
قسطوں پر خرید و فروخت .... ۲۲/=
کھانے کے آداب .... ۲۷/=
کیا خیالات آپ کو پریشان کرتے ہیں .... ۱۲/=
کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم .... ۲۲/=
گناہوں کی لذت ایک دھوکہ .... ۱۳/=
گناہ گار سے نفرت نہ کریں .... ۱۵/=
گناہوں کا علاج، خوف خدا .... ۱۹/=
گناہوں کے نقصانات .... ۱۳/=
لباس کے شرعی اصول .... ۱۸/=

﴿ م - ن - و - ہ ﴾

ماہ رجب .... ۱۰/=
معاشرے کی اصلاح کیسے ہو .... ۱۳/=
منافق کی دو نشانیاں .... ۱۸/=
ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی .... ۱۲/=
معاملات جدیدہ اور علماء کی ذمہ داری ....

مغرب میں دو ہفتے .... ۱۵/=
مرنے سے پہلے موت کی تیاری .... ۱۲/=
مسلمان بھائی بھائی .... ۱۳/=
معاملات صاف رکھیں .... ۱۲/=
مسلمان تاجر کے فرائض .... ۱۳/=
منکرات کو روکو .... ۱۲/=
مزاح و مذاق کی رعایت .... ۱۳/=
مشورہ کی اہمیت .... ۱۲/=
نیک کام میں دیر مت کیجئے .... ۱۶/=
نفس کی کشمکش .... ۱۶/=
نعت رسول ﷺ .... ۱۵/=
والدین کی خدمت جنت کا ذریعہ .... ۱۶/=
وقت کی قدر کریں .... ۱۸/=
ووٹ کی اسلامی حیثیت .... ۱۲/=
ہاؤس فائنانسنگ کی شرعی حیثیت .... ۱۳/=

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

اصلاحی بیانات جلد اول .... ۱۴۰/=
اصلاحی بیانات جلد دوم .... ۱۳۰/=
فقہی رسائل کامل سیٹ .... ۳۰۰/=
ٹی وی اور عذاب قبر .... ۱۳/=
چھ گناہ گار عورتیں .... ۱۳/=
مروجہ قرآن خوانی کی شرعی حیثیت .... ۱۶/=
نماز کی بعض اہم کوتاہیاں .... ۱۳/=
تقسیم وراثت کی اہمیت .... ۱۲/=
حج فرض میں جلدی کیجئے .... ۱۶/=
طلاق کے نقصانات .... ۱۲/=
بدشگونیاں، بدفالیاں .... ۱۶/=
حضور ﷺ کی سیرت و صورت .... ۱۳/=
تراویح کے اہم مسائل .... ۱۳/=
رمضان المبارک کا آخری دن .... ۱۲/=
نماز فجر میں کوتاہی .... ۱۲/=
ہمارے تین گناہ .... ۱۲/=
نماز میں دل کی حفاظت کیجئے .... ۱۵/=
حلال کی برکت اور حرام کی نحوست .... ۱۳/=
نبی اللہ کی رحمت .... ۱۲/=
مسلمانوں کے چار دشمن .... ۱۲/=
اللہ کو یاد رکھیں .... ۱۳/=
موت کے وقت کی بدحالت .... ۱۳/=
مثنوی کی سبق آموز حکایات .... ۱۲/=
شو[illegible]نے کی فضیلت .... ۱۲/=
[illegible] آداب .... ۱۲/=